ترجمانِ اسلام
ہفت روزہ
لاہور

نگرانِ اعلیٰ
حضرت مولانا مفتی محمود

افغانستان
کی موجودہ صورتِ حال

ہم سوویت روس کو

چیکوسلواکیہ کی تاریخ دہرانے کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے

۱۱ جنوری تا ۱۷ جنوری سنہ ۸۰ء | شمارہ ۲ | قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے

وہ نصیبوں کا بڑا رشکِ مسیحا ہو گیا

جان و دِل سے جو فدائے شاہ بطحا ہو گیا
وہ خدا کا لاڈلا خلقت کا پیارا ہو گیا

ہے یہ اعجازِ دُرودِ رحمت اللعالمینؐ
رشکِ مہر و ماہ عرب کا ذرّہ ذرّہ ہو گیا

مِٹ گیا جُھوٹے خداؤں کی خدائی کا نِشاں
اِک خُدائے واحد و یکتا کا چرچا ہو گیا

بُت پرستوں کی ہر اک تدبیر خاکستر ہوئی
دو جہاں میں اہلِ حق کا بول بالا ہو گیا

رنگ و نسل و قوم کی تفریق یکسر مِٹ گئی
اِک فقط معیارِ شرف و مجد تقویٰ ہو گیا

بڑھ گئی توقیرِ انساں آپؐ سے خیرالبشرؐ
آپؐ سے انسانیت کا نام اُونچا ہو گیا

آپؐ نے بخشا غلاموں کو مقامِ خسروی
آپؐ سے بازارِ ظلم و جور پھیکا ہو گیا

ہو گیا جو خواجۂ کونینؐ کے در کا غلام
وہ نصیبوں کا بڑا رشکِ مسیحا ہو گیا

ظالم و جابر کوئی کِتنا ہی ہو اکرام بس
ان کے دیوانوں سے ٹکرایا تو رُسوا ہو گیا

اکرام القادری

ہفت روزہ
ترجمان اسلام
لاہور

جلد نمبر ۲۲ | شمارہ نمبر ۲
جمعۃ المبارک ۱۹ صفر ۱۴۰۰ھ ۱۱ جنوری

سرپرست
مولانا عبید اللہ انور

مدیر
اکرام القادری

مدیر معاون
عمیر الہاشمی

بدلِ اشتراک
سالانہ
۶۵ ـــــ روپے
ششماہی
۳۳ ـــــ روپے
سہ ماہی ـــــ ۱۷ روپے
قیمت
ایک روپیہ پچاس پیسے
یکے از مطبوعات

خط وکتابت : ترجمان اسلام چوک رنگ محل لاہور

افغانستان کی موجودہ صورتِ حال

ہمارے برادر ہمسایہ ملک افغانستان میں گذشتہ دو سال سے جو ڈرامہ رچایا جا رہا ہے اور جو کھیل کھیلا جا رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس عرصے میں یکے بعد دیگرے تین حکمران آئے۔ جب تک زندہ رہے قتل وغارتگری کا بازار گرم کرتے رہے بالاخر خود بھی اپنے اہل خاندان سمیت قتل وغارتگری سے دوچار ہوئے اور ملک وقوم کو ہلاکت خیز مصیبتوں کے اتھاہ سمندر کے حوالے کر گئے۔

حالیہ انقلاب جو ببرک کرمل کی قیادت میں آیا ہے اس نے سابقہ تمام ترغارت گریوں کے ریکارڈ توڑ دیئے۔ دنیا کی ایک بڑی طاقت روس نے تقریباً ایک لاکھ فوجی ایک آزاد وخود مختار ملک میں بغیر کسی قانونی، اخلاقی اور آئینی جواز کے داخل کر دیئے اور انہوں نے افغانستان کے حکمراں حفیظ اللہ امین کو اس کے اہل وعیال سمیت تکہ بوٹی کر کے ایک ایسے شخص کو حکمرانی کا تاج پہنا دیا جو بعض مصدقہ اطلاعات کے مطابق' اس خونیں انقلاب کے وقت ملک میں بھی موجود نہیں تھا۔ انقلاب کے دو روز بعد اسے ملک کے اندر لایا گیا اور کچھ پتہ نہیں کہ اب بھی وہ کہاں ہے اور کن سرگرمیوں میں مبتلا ہے۔ روسی فوجیں پورے ملک میں پھیل گئی ہیں اور انہوں نے تقریباً ہر چھوٹے بڑے شہر کی ناکہ بندی کر دی ہے' حتّٰی کہ پاکستان اور ایران سے ملنے والی افغانستان کی سرحدوں کو بھی بند کر دیا ہے۔ اس کھلی اور ننگی جارحیت کے خلاف روس کے چند لگے بندھوں کے سوا ساری دنیا چیخ رہی ہے مگر روس ایسی بڑی طاقت کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔

امریکی احتجاج کے جواب میں صدر برزنیف نے جو کچھ کہا ہے اس کا بودا پن بھی سامنے آ چکا ہے۔ روس کا یہ کہنا کہ افغان حکمرانوں کے طلب کرنے پر روس کی فوجیں افغانستان کے اندر داخل ہوئی ہیں کسی اعتبار سے بھی درست نہیں۔ روس نہیں بتا سکتا کہ وہ کون سے حکمران ہیں جنہوں نے روس سے فوجی امداد طلب کی تھی۔ اگر حفیظ اللہ امین نے ایسا کیا تھا جو برسر اقتدار تھا تو اسے کیوں قتل کر کے اس کی حکومت کا تختہ الٹا گیا؟ کیا امین نے روس سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ مجھے قتل کر دیں، میری حکومت کا تختہ الٹ دیں اور میری جگہ ببرک کرمل کو اقتدار کی کرسی پر

بٹھادیں۔ اگر ایسا نہیں اور ہرگز ایسا نہیں تو کیا ببرک کرمل نے ایسی درخواست کی ہے جو حالیہ غیر قانونی غیر اخلاقی اور بدترین آمرانہ انقلاب کے وقت خود روس میں براجمان تھا اور جسے انقلاب کے دو روز بعد افغانستان میں روسی فوج کی حفاظت میں لایا گیا۔

ساری دنیا روس کے اس شرمناک فعل پر احتجاج کر رہی ہے اور روس افغانستان میں اپنی پوزیشن مضبوط کرنے پر تلا ہوا ہے جیسے اسے کچھ خبر نہیں دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ ایک آزاد ملک کی فوجوں کو تہہ تیغ کیا جا رہا ہے اور افغانی مجاہدین کو ٹھکانے لگانے کی منظم کوششیں جاری ہیں۔ اس کے برعکس ریڈیو افغانستان سے موجودہ کٹھ پتلی حکومت کی جانب سے یہ اعلانات نشر کئے جا رہے ہیں کہ حکومت جمہوریت بحال کرے گی۔ عوام کی حکمرانی ہو گی۔ سامراجیت کو ختم کیا جا رہا ہے اور مساوات کی بساط بچھائی جا رہی ہے۔ نہ بند نام زنگی کا فور۔

اس میں شک نہیں کہ روس کی اس ننگی جارحیت سے پوری دنیا کے آزاد اور خود مختار ممالک بے تاب بے چین اور پریشان ہیں لیکن پاکستان افغانستان کے برادر ہمسایہ ملک ہونے کی وجہ سے زیادہ متشوش اور فکر مند ہے پاکستان نے اپنے پڑوسی ممالک کے پھڈے میں کبھی پاؤں پھنسانے کی کوشش نہیں کی۔ اس نے ہمیشہ دوسرے ممالک کے اندرونی حالات کو ان کا اپنا داخلی معاملہ سمجھا، مگر موجودہ صورتحال کچھ ایسی ہے کہ پاکستان اس سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا اسے خود اپنے دفاع اور استحکام کے لئے ہاتھ پیر مارنے ہوں گے۔ پاکستان کے لئے اب ٹھنڈے پیٹوں بیٹھا رہنا کسی بھی اعتبار سے درست نہیں۔ اسے نہایت سوچ بچار اور غور فکر کے بعد اپنی سالمیت کا تحفظ کرنا ہوگا۔ یقیناً پاکستان کے موجودہ حکمران افغانستان کی نازک صورتحال سے باخبر ہیں اور وہ اپنے طور پر اس بلائے ناگہانی سے نمٹنے کے لئے غور و فکر بھی کر رہے ہوں گے لیکن ہم ادب احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اتنا ضرور عرض کریں گے

قومی حلقے جانتے ہیں اور حکمران بھی بے خبر نہ ہوں گے کہ ہمارے ملک میں ایک طبقہ آج بھی ایسا موجود ہے جو افغانستان کی موجودہ پوزیشن پر بھی بغلیں بجا رہا ہے۔ اس طبقہ کو کچھ پروا نہیں کہ ہمارا ملک بھی اس نازک پوزیشن سے دوچار ہو سکتا ہے، بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ اس طبقے کی منفی سوچ اور جذبۂ انتقام یہ آس لگائے بیٹھا ہے کہ ہمارے ملک میں بھی زود یا بدیر یہی کچھ ہونے والا ہے جو ہمارے پڑوسی ملک میں ہو رہا ہے۔ گر اس طبقے کی تعداد اقل قلیل ہی ہے مگر اس پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ ایک چنگاری کو معمولی چنگاری سمجھ کر نظرانداز کر دینا دانشمندی کا تقاضا نہیں ہے۔

اس موقع پر امریکہ نے بھی ڈرامائی طور پر پرانے پچیس سالہ معاہدے کی تجدید کا اعلان کرتے ہوئے پاکستان کو اسلحہ کی سپلائی بحال کر دینے کے عزم کا اظہار کیا ہے اور پاکستان پر حملہ کی صورت میں پاکستان کے دفاع کرنے کی یقین دہانی کرائی ہے۔ اس ضمن میں حکومت پاکستان نے امریکہ سے وضاحت طلب کر کے قومی حلقوں کے خدشات کو کسی حد تک دور کر دیا ہے لیکن اس پہلو پر مزید غور فکر اور سوچ بچار کی ضرورت ہے۔ امریکہ ماضی میں ہمارے ساتھ جس قسم کا سلوک روا رکھتا رہا وہ کوئی پوشیدہ امر نہیں ۶۵ء اور ۷۱ء کی پاک بھارت جنگوں کے علاوہ پاکستان کے پرامن ایٹمی ٹیکنالوجی کے پروگرام میں امریکہ کی طرف سے جس قسم کی ناروا مداخلت کی جاتی رہی جس نوعیت کی دھونس اور دھاندلی کا مظاہرہ ہوا وہ بھی پیش نظر رہنا چاہیئے۔ اور پھر ایران ایسے پاکستان کے حلیف اور برادر ملک کے ساتھ امریکہ کا رویہ بھی ڈھکا چھپا نہیں۔ ان تمام واقعات وحالات اور دیگر بین الاقوامی معاملات کو ملحوظ رکھ کر امریکہ سے سلسلہ جنبانی ہونا چاہیئے۔

طرفہ یہ کہ امریکہ نے ابھی اسلحہ کی ترسیل کا نام نہاد اعلان ہی کیا ہے کہ بھارت کے حکمرانوں نے واویلا شروع کر دیا ہے اور بھارت کی سالمیت کو فوری خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ بھارت کی شروع دن سے یہ پالیسی رہی ہے کہ جونہی کوئی ملک پاکستان کو اسلحہ دینے کی بات کرتا ہے طاقت میں پانچ گنا بڑے بھارت کو شدید خطرہ درپیش آجاتا ہے۔ اس کے برعکس بھارت بھارت اسلحہ حاصل کرے خود اسلحہ بنائے حتی کہ ایٹمی دھماکہ تک کرے پاکستان کے لئے کوئی خطرہ کی بات نہیں۔

ایجنسی ہولڈر، خریدار اور قارئین حضرات!!!

۱۔ ادارہ کو رقم ارسال کرتے وقت وی پی پی کی تاریخ درج کرنا نہ بھولئے۔
۲۔ پتہ مکمل اور صاف تحریر کیجئے، نیز پتہ میں ڈاکخانے اور تحصیل کی ضرور وضاحت کیجئے اور حتی الامکان پتہ مختصر ہو۔
۳۔ مستقل خریدار اور ایجنسی ہولڈر ادارے سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر یا ایجنسی نمبر مع تاریخ کے ضرور لکھئے۔
۴۔ مدت خریداری اس تاریخ سے تصور کی جائے گی جس تاریخ کو (زر سالانہ) وی پی پی وصول ہو گی۔ نیز یہ کہ ادارہ کو وی پی پی کی روانگی کا جاری کر کے وی پی پی وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہے۔
۔ جواب طلب امور کے لئے چالیس پیسے کے ڈاک ٹکٹ یا جوابی خط ارسال کیجئے۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

محمد سلیم قریشی

بانی دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

مجموعۂ محاسن جرأت و شجاعت کے پیکر فصیح بلیغ ۔ شاعر، فقیہ۔ محدث فقہ، عارف عابد، زاہد، قاسم العلوم و الخیرات حضرت الشیخ نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی اعظم دار العلوم دیوبند برق طبع اور شعلہ مقال مقرر و واعظ اور موثر ترین ادیب اور متکلم کی حیثیت سے بھی فضاؤں اور بالخصوص دہلی کی جامع مسجد میں گونج گونج کر عوام و خواص کے دلوں کو مسخر کر کے اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہٗ نے سیرت سید احمد شہید میں لکھا ہے کہ:

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ جو خلقاً اور خُلقاً شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ سے بہت مشابہ تھے اور اپنے زمانہ کے نہایت خوش بیان واعظ و خطیب تھے سید صاحب ممدوحؒ کے دیکھنے والوں نے انقراض صحبت کے بعد پھر کسی کا وعظ نہیں سُنا البتہ اگر کبھی اتفاق ہوا تو مولوی محمد قاسم صاحبؒ کا وعظ سنا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ انکا وعظ مولانا محمد اسمٰعیلؒ کے وعظ سے بہت ملتا جلتا ہے اور کلام پر ایسا عبور حاصل تھا کہ بروایت حضرت مہتمم صاحب دار العلوم دیوبند مدظلہ حضرت نانوتوی رحمۃ فرماتے تھے کہ بعض اوقات میں اپنے اندر اتنی قدرت محسوس کرتا ہوں کہ پورا وعظ نظم میں کہہ جاؤں لیکن خلاف سنت ہونے کی وجہ سے اس سے احتراز کرتا ہوں۔ بعینہٖ یہی حال حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری مرحوم کا بھی تھا۔ منقول ہے کہ دوران مناظرہ کسی مرزائی نے کہا کہ آج کی گفتگو عربی زبان میں ہوگی۔ آپؒ نے فرمایا کہ میں اس بات کو پسند کروں گا کہ عربی نثر کی بجائے عربی نظم میں گفتگو ہو۔ نیز یہ بھی منقول ہے کہ حضرت الشیخ نانوتویؒ نے کسی صاحب کی فرمائش پر مثنوی لکھی تھی جو کہ پانچ سو اشعار پر مشتمل تھی جس کا ایک شعر احقر کے ذہن میں بھی موجود ہے، تبرکاً ملاحظہ فرمائیے ؎

ضعف سے ہو گیا دم رفتار
تن کو سائے کا تھامنا دشوار

مگر جب حضرت امام ربانی مولانا الشیخ گنگوہیؒ نے 'ہدایت الشیعہ' نامی کتاب تصنیف فرمائی، تو آپؒ نے فرمایا کہ
"حضرت گنگوہیؒ کا یہ اہم کام ہے۔"

پھر اپنی مثنوی منگوائی اور جلا دی۔ صرف اس واقعہ سے بھی حضرت الشیخ نانوتویؒ کے کمال خلوص کی معراج معلوم ہوتی ہے، ویسے بھی طبعاً آپؒ گمنام زندگی کو بہت ہی زیادہ پسند فرماتے تھے۔ خود اپنی ایک تصنیف جو کہ وہ بھی ہدایت الشیعہ کے نام سے موسوم ہے میں اپنا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

گمنام محمد قاسم نام تخلص بہ خاکپاء

مگر آپؒ نے اپنے کلام میں اس تخلص کو استعمال نہیں فرمایا۔ دار العلوم دیوبند کے اول صدر المدرس آپ کے استاذ زادہ ہم سبق اور ہم زلف حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ آپؒ کی مختصر سوانح عمری میں تحریر فرماتے ہیں:

"مولوی صاحب کی صورت پر جذب کی حالت رہتی تھی۔ بال سر کے بڑھ گئے تھے، نہ دھونا نہ کنگھی نہ تیل نہ کترے نہ درست کئے عجب صورت تھی۔ مولوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہیبت عنایت کی تھی۔ ان کے سامنے بولنے کا ہر کسی کو حوصلہ نہ تھا باوجودیکہ نہایت خوش مزاج اور عمدہ اخلاق تھے۔ اس لئے میں تو کچھ نہ کہہ سکا ایک اور دوست سے کہلایا تب بمشکل بال کتروا کر درست کئے اور دھلوائے۔

مزاج تنہائی پسند تھا اس لئے کچھ عرض نہ ہو سکتا تھا۔ مولوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اول عمر سے یہ بات عنایت فرمائی تھی کہ اکثر ساکت رہتے۔ اس لئے ہر کسی کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا اور باوجود خوش مزاجی اور ظرافت کے مغموم جیسی صورت بنائے رہتے اور ان کے حال سے بھلا ہو یا بُرا نہ کسی کو اطلاع ہوتی نہ آپؒ کہتے۔ یہاں تک کہ بیمار بھی اگر ہوتے تب بھی شدت کے وقت کبھی کسی نے جان لیا تو جان لیا ورنہ خبر بھی نہ ہوتی اور دوا کرنا تو کہاں، بعضے احباب کی زبانی سنا ہے کہ چھاپہ خانہ میں جناب مولوی احمد علی صاحب کے جب مولوی صاحب کام کیا کرتے تھے مدتوں یہ لطیفہ رہا کہ لوگ مولوی صاحب کہہ کر پکارتے تھے اور آپؒ بولتے نہیں۔ کوئی نام لے کر پکارتا تو بہت خوش ہوتے۔ آپؒ تعظیم سے نہایت گھبراتے تھے۔ بے تکلف ہر کسی سے ملتے

تھے۔ اب تک جو شاگرد و مرید تھے ان سے یارانہ کے طور پر رہتے اور کچھ اپنے لئے صورت تعظیم کی نہ رکھتے تھے۔ علماء کی وضع عمامہ یا کرتا کچھ نہ رکھتے۔ ایک دن آپؒ فرماتے تھے:

اس علم نے خراب کیا ورنہ اپنی
وضع کو ایسے خاک میں ملا تاکہ
کوئی بھی نہ جانتا۔"

میں کہتا ہوں کہ اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا۔ جو کمالات تھے وہ کسقدر تھے گیا ان میں سے ظاہر ہوئے اور آخر سب کو خاک ہی میں ملا دیا۔ اپنا کہنا کر دکھلایا مسئلہ کبھی نہ تبلاتے۔ حوالہ کسی پر فرماتے بفتوے پر نام لکھنا اور مہر لگانا تو درکنار اوّل امامت سے بھی گھبراتے۔ آخر کو اتنا ہوا کہ وطن میں نماز پڑھا دیتے تھے۔

(سوانح قاسمی)

اور اخلاق و عادات قاسمیؒ ملاحظہ فرمایئے کہ ایک مرتبہ کسی نے آپؒ کی دعوت کی۔ برسات کا موسم تھا۔ آپؒ نے وعدہ کر لیا کہ اچھا بھائی بعد مغرب کے آجاؤنگا۔ اس آدمی کا گھر شہر سے باہر تھا۔ اتفاق سے مغرب کے وقت زور کا مینہ برسا اور دارالعلوم دیوبند سے لے کر اس آدمی کے گھر پانی ہی پانی تھا۔ بہرحال آپؒ کھوندتے ہوئے جیسے کیسے ہو کر وہاں پہنچے اور جا آواز دی۔ وہ آدمی گھبرایا ہوا آیا اور عرض کیا کہ حضرت بارش کی وجہ سے کوئی انتظام نہ کر سکا۔

آپ نے فرمایا: کیا مضائقہ ہے، جو موجود ہو۔

چنانچہ اس آدمی نے بگڑ کی روٹی اور ساگ پکایا تھا۔ گھر والی ایسی گھبرائی ہوئی تھی کہ ساگ کے بجائے ایلوا جانوروں کے لئے پکا رکھا تھا وہ اتار کر دیدیا۔ اندھیرا ہو ہی رہا تھا۔ آپؒ نے بسم اللہ کہہ کر اس کو کھا لیا اور آ گئے۔ صبح کو جب اس آدمی نے دیکھا کہ رات مولانا کو ساگ کے دھوکہ میں ایلوا دیدیا ہے تو گھبرایا ہوا آیا اور معافی چاہی۔ آپؒ نے فرمایا:

"کوئی بات نہیں ایسا
بھی ہو جاتا ہے۔"

فیوض قاسمی میں حضرت الشیخ ممدوح مرحوم و مغفور کے اردو اور فارسی کے خطوط دیکھ کر آج بھی حیرانی ہوتی ہے کہ ایک بے بضاعت بوریا نشین درویش جس نے ناموری اور ادبی صلاحیتوں کو بالائے طاق رکھا ہوا تھا فی البدیہہ جو خطوط وغیرہ لکھے ہیں انمیں ادب کا کتنا بلند مقام ہے۔ طوالت سے بچنے کے نمونہ کے طور پر صرف اردو کا ایک خط جو آپؒ نے حکیم عبدالصمد صاحبؒ کے نام لکھا تھا ہدیۂ ناظرین ہے:

"سراپا عنایت حکیم عبدالصمد صاحب
السلام وعلیکم

ایک ہفتہ گذرا ہوگا کہ آپکا عنایت نامہ پہنچا تھا مگر امراض خفیہ کی آمد و شد میں جو اس سال کسی قدر ناتوانی اکثر رہتی ہے کاہلی کے لئے تازہ بہانہ ہو گیا۔ اس وجہ سے اس دفعہ خطوط کے جواب دشوار معلوم ہوتے ہیں۔ کبھی ہمت کرتا ہوں تو ہفتہ دو ہفتہ کے بعد ایک دو خط کا جواب لکھدیا ورنہ خیر آج کچھ ہمت کر کے بیٹھا ہوں۔ آپ کے عنایت نامہ کا جواب بھی یاد آ گیا۔ میری اس کیفیت سے جو عرض کر چکا ہوں خود ظاہر ہے کہ کہیں کے آنے جانے میں اگر طبعی دشواری نہ ہوتی تب بھی اس حال میں دشوار تھا۔ مدت سے احباب دہلی متقاضی ہیں ادھر اپنا شوق بھی ادھر کو کھینچتا ہے اس لئے یہ ارادہ تھا کہ دیوبند پہنچا تو ادھر سے ادھر دہلی بھی ہو آؤں گا مگر تواتر امراض کے باعث یہ ارادہ ملتوی رہا۔ اب گو اچھا ہوں مگر کاہلی کے لئے یہ خفیف سی نقاہت بھی کافی ہے غرض ٹونک تک اپنی رسائی کی توقع نہیں۔

الخ..... محمد قاسم

مکتوب ہذا کو غور سے دیکھئے کتنی سادگی ہے۔ جملے کس طرح مربوط ہیں۔ عبارت فصیح اور شگفتہ ہے، یعنی دل میں جو کچھ ہے وہی زبانِ قلم پر بھی ہے۔ فیوض قاسمی میں فارسی مکتوبات بھی درج ہیں جنکا ادبی مقام بھی بلند و ارفع ہے مگر افسوس کہ فارسی کا مزاج ہی عنقا ہو گیا ہے۔ اس لئے فارسی مکتوبات کو چھوڑ کر فارسی میں ایک مناجات بدرگاہ رب العالمین میں آپ نے جو دعا مانگی ہے وہ درج کرتا ہوں اگر اہتمام ہو سکے تو نماز تہجد کے بعد اسی ذوق قاسمی کے ساتھ پڑھکر لطف اندوز ہوں (وھو ہذا)

الٰہی غرق دریائے گناہم
تو می دانی و خود ہستی گواہم
گناہِ بے عدد را بار بستم
ہزاراں بار توبہ ہا شکستم
حجاب مقصدم عصیان من شد
گناہم موجب حرمان من شد
بآں رحمت کہ وقف عام کردی
جہاں را دعوت اسلام کردی
نمی دانم چرا محروم ماندم
رہین ایں چنیں مقسوم ماندم
گدا خود را ترا سلطاں چو دیدم
بدرگاہ تو اے رحمان دویدم
دلم از نقش باطل پاک فرما
براہ خود مرا چالاک فرما
درونم را بہ عشق خویشتن سوز
بہ نیر درد خود جان و دلم سوز
دلم را محو یاد خویش گرداں
مرا حسب مراد خویش گرداں
اگر نالائقم قدرت تو داری
کہ خار عیب از جانم برآری
بہ خوبی زشت را مبدل نمائی
سیاہی را بہ بخشی روشنائی

محمد منظور احمد نعمانی

مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت

اور اب میرا موقف

مولانا مودودی کی دعوت پر باہر سے آنے والوں میں میرے علاوہ چند حضرات اور بھی تھے۔ (ان سب کی تعداد دس سے کم ہی رہی ہوگی۔)ٹ اگلے دن جب وہ وقت آیا کہ سب ایک جگہ بیٹھ کر جماعت یا ادارہ کی تشکیل کریں تو میں نے ذرا دیر پہلے تنہائی میں مولانا سے کہا کہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میں آیا تو اسی ارادہ سے تھا کہ اس کام میں آپ کا رفیق بنوں گا لیکن یہاں آکر مجھ میں تذبذب پیدا ہو گیا ہے اور میں نے مناسب سمجھا کہ میں پہلے ہی آپ کو بتلا دوں کہ اسوقت جو ادارہ یا جماعت بنے گی میں اس میں باضابطہ شرکت نہیں کرسکوں گا، لیکن آپ کے مقصد اور آپ کی دعوت سے مجھے اتفاق اور ہمدردی ہے۔

مودودی صاحب بڑے ذہین آدمی ہیں انہوں نے سمجھ لیا کہ کیا چیز میرے لئے رکاوٹ بنی ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کے اس تذبذب اور تردد کی وجہ سمجھتا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کو اس کا اندازہ نہیں ہے کہ میں کس دنیا کا آدمی تھا اور کہاں سے چل کر آرہا ہوں۔ آپ چاہتے ہیں کہ میں ایک دم بدل جاؤں۔

ٹ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اسوقت ہندوستان یا پاکستان میں "جماعت اسلامی" میں جو معروف حضرات ہیں جہاں تک خیال ہے ان میں سے کوئی بھی مولانا مودودی کے دارالاسلام میں ملائے ہوئے اس پہلے مختصر اجتماع میں شریک نہیں تھا۔ ممکن ہے یہ حضرات اُس وقت تک مولانا مودودی سے واقف بھی نہ ہوئے ہوں۔ واللہ اعلم

آپ جو کچھ چاہتے ہیں۔ انشاء اللہ رفتہ رفتہ وہ ہو جائے گا۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ آپ اپنی رائے پر نظر ثانی کریں۔ آپ کے انکار کر دینے سے اور سبھوں پر بھی اثر پڑے گا۔ میں نے عرض کیا کہ شرکت کے فیصلے کے لئے جس قلبی اطمینان کی ضرورت ہے واقعہ یہ ہے کہ میں اپنے اندر وہ اطمینان نہیں پاتا۔ اس لئے مجبور ہوں، حالانکہ مجھے اپنے شریک نہ ہونے سے دکھ اور افسوس ہے۔ اگر آئندہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اطمینان نصیب فرما دیا تو میں انشاء اللہ آپ کے ساتھ باضابطہ بھی شریک ہو جاؤں گا، لیکن ضابطہ کی شرکت کے بغیر تعاون یوں بھی کروں گا اور دوسروں پر اثر پڑنے کی مشکل کا یہ حل ہو سکتا ہے کہ میں مجلس میں اپنے اس تذبذب یا انکار کا پہلے اظہار نہ کروں۔ بلکہ خاموش رہوں۔ چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا۔ دوسرے حضرات جب مجلس میں اپنی رائے ظاہر کر چکے' ادارہ کی رکنیت قبول کرنے والے اپنی منظوری دے چکے اور معذرت کرنے والے معذرت کر چکے تو سب سے آخر میں میں نے اپنے متعلق بتایا کہ میں اسوقت رکنی کا فیصلہ نہیں کر سکا ہوں۔ ابھی مزید غور کرونگا۔

یہاں میں یہ واضح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میرے توقف یا انکار کی وجہ میرا یہ خیال تھا کہ اتنے اونچے دعووں کے ساتھ جو دینی جماعت یا ادارہ بنے اور اتنے اعلیٰ نصب العین کا دنیا کے سامنے اعلان کرے (جس کا تحریک کے خاکہ میں ذکر کیا گیا تھا) اگر اس کے قائد کی زندگی اس دعوت سے ضروری درجہ کی بھی مطابقت نہ رکھتی ہو تو اولاً تو وہ چلے گی نہیں اور قلم کی طاقت کے بل پر کچھ چلی بھی تو اس کے ذریعے مسلمانوں کی دینی اصلاح کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی۔ حالانکہ اس راہ کا بنیادی کام یہی ہے کہ مسلمانوں میں ازسرِ نو ایمانی روح پھونکی جائے اور ان کی زندگی میں دینی انقلاب برپا کیا جائے جیسا کہ حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے رفقاء نے کیا تھا۔

یہ ادارہ جو 'دارالاسلام" کے حالم [illegible] کر بنایا گیا تھا اس کا نام "ادارۂ دارالاسلام" تھا۔ مولانا مودودی اس کے صدر یا امیر تھے اور ان کے علاوہ صرف چار حضرات رکن بنے تھے۱

۱ ان میں رسالہ ترجمان القرآن کے باتنخواہ مینیجر بھی تھے جو سب سے زیادہ جوشیلی اور جاہلانہ باتیں کرتے تھے' بعد میں بہت غلط آدمی ثابت ہوئے اور مولانا کو انہوں

چند ہی مہینوں کے بعد مولانا نے دارالاسلام سے لاہور منتقل ہو جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلہ کا اصلی سبب، جیسا کہ اسوقت مجھے معلوم ہوا تھا مولانا مودودی کے بارے میں بانئ دارالاسلام چودھری نیاز علی خانصاحب اور چودھری عبدالرحمٰن صاحب کے کچھ اسی قسم کے احساسات تھے جو میرے لئے "ادارہ دارالاسلام" کی شرکت کی راہ میں رکاوٹ بن گئے تھے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

بہرحال مولانا لاہور منتقل ہو گئے اور ترجمان القرآن وہیں سے شائع ہونے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد مولانا نے غالباً دینیات کے پروفیسر یا لیکچرر کی حیثیت سے لاہور کے اسلامیہ کالج سے بھی تعلق قائم کر لیا۔ اس تمام عرصہ میں مولانا سے میرا ذاتی تعلق علیٰ حالہ رہا۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں آیا خط وکتابت بھی جاری رہی۔ مجھے یاد آتا ہے ایک خط میں مولانا نے مجھے یہ بھی لکھا تھا کہ کالج سے تعلق انہوں نے کس وجہ سے قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ جہاں تک اب یاد ہے کالج سے مولانا کا یہ تعلق تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ختم ہو گیا تھا جس کی تفصیل میرے علم میں نہیں۔

"ادارہ دارالاسلام" کا ذکر کچھ عرصہ کے بعد ترجمان میں بھی آنا بند ہو گیا، پھر یا تو خود مولانا کے کسی خط سے یا کسی اور ذریعہ سے مجھے معلوم ہوا کہ مولانا اس کام کے آگے بڑھنے سے مایوس ہو گئے ہیں، اس لئے اب اس کی دعوت کا سلسلہ جاری نہیں ہے۔

خود میرا حال اس عرصہ میں یہ رہا کہ "ادارہ دارالاسلام" کی تشکیل کے وقت دو تین دن مولانا کے ساتھ رہ کر ان کے بارہ میں تو ذہن نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو بہت اچھا سوچنے اور بہترین لکھنے والا تو بنایا ہے لیکن دینی انقلاب کی مقدس مہم کے چلانے کے لئے جو صفات اور جو زندگی

مولانا سید سلیمان ندوی رح نے فرمایا

مجھے تو ان کی تحریریں میں تجدّد کی بُو آتی ہے۔

چاہیئے اس سے مولانا بہت دور ہیں اور بظاہر ان صفات اور اس کی زندگی کے حاصل کرنے کا ان میں کوئی خاص داعیہ اور ارادہ بھی نہیں ہے، اس لئے مولانا کی طرف سے تو میں اس معاملہ میں بالکل مایوس ہو گیا لیکن ان کی تحریروں اور اپنے غور وفکر سے اس وقت جس قسم کی دینی جدوجہد کو میں نے ضروری سمجھ لیا تھا میں محسوس کرتا تھا کہ اس کا تقاضہ روز بروز شدید تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔

لیکن خود اپنی صلاحیتوں اور کمزوریوں کا اپنے نزدیک پورا دیانتدارانہ جائزہ لے کر میں اپنے بارہ میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اس قسم کے کسی کام کا میں خود قائد اور علمبردار بننے کے لائق نہیں ہوں، ہاں اگر کہیں ایسا کام شروع ہو تو انشاء اللہ میں اس کا ساتھ دینے والا ایک سپاہی بن سکتا ہوں، اس لئے میں چاہتا تھا کہ اللہ کا کوئی بندہ یا کچھ بندے جو اہل ہوں وہ اس طرح کا کوئی کام کریں تو میں ان کے ساتھ لگ جاؤں۔

یہی زمانہ تھا کہ مولانا علی میاں کی "سیرت سید احمد شہیدؒ" پہلی دفعہ چھپی، انہوں نے ازراہ عنایت اس کا ایک نسخہ مجھے بھی بھیجا۔ خوب یاد ہے کہ اسے پڑھ کر اندر ایک آگ سی بھڑک اٹھی — میں نے اسی وقت مولانا علی میاں کو لکھنؤ کے پتہ پر خط لکھا۔ جہاں تک اب یاد ہے اس میں کتاب سے متعلق اپنا تأثر ظاہر کیا تھا اور ساتھ ہی لکھا تھا کہ:

"مجھے صفائی سے بتائیے کہ آپ نے بس یہ کتاب ہی لکھنے کا ارادہ کیا تھا جو لکھی گئی، یا وہ کام بھی کرنے کا ارادہ ہے جس کا یہ کتاب تقاضا کرتی ہے؟ اگر یہ دوسری بات ہے تو میں آپ سے جلد از جلد ملنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کو کوئی مجبوری نہ ہو تو قریبی فرصت میں یہاں بریلی ایک دو دن کے لئے تشریف لے آئیں، اور اگر آپ کسی وجہ سے اسوقت نہ آسکتے ہوں تو مجھے بواپسی مطلع فرمادیں میں انشاء اللہ خود آجاؤں گا۔"

اس خط کا جواب مجھے مولانا نے اپنے وطن رائے بریلی سے دیا اور لکھا کہ میں اس وقت یہاں گھر پر مقیم ہوں اور فلاں وجہ سے اس وقت سفر سے معذور ہوں — خود ہی یہاں آجائیں ——— میں ممکنہ عجلت سے روانہ ہو گیا اور رائے بریلی پہنچ گیا۔

یہاں اس کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا کہ مولانا علی میاں بھی مولانا مودودی کے "ترجمان القرآن" کے مضامین سے میری ہی طرح متاثر تھے اور اس لحاظ سے ہم دونوں کے خیالات اور جذبات میں پوری ہم آہنگی تھی — رائے بریلی پہنچ کر تفصیل سے گفتگو ہوئی۔ مولانا مودودی کا اور ان کے مضامین کا جو انہوں نے "آنے والے انقلاب" کے متعلق لکھے تھے اور جنہوں نے ہم دونوں کو بہت متاثر کیا تھا خاص طور سے ذکر رہا — غالباً اسی ملاقات اور صحبت میں میں نے "ادارۂ دارالاسلام" کی تاسیس کے سلسلہ میں اپنے پٹھان کوٹ کے سفر اور مولانا مودودی صاحب سے متعلق

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: نے بہت مالی نقصان پہنچایا۔

پنے اندازہ اور احساسات کا بھی ذکر کیا۔

بہرحال ہم دونوں اس پر متفق ہو گئے کہ اس وقت کے خاص حالات کے مطابق دین کی خدمت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جو کچھ ہو سکے وہ ہم کو کرنا چاہیئے اور بنام خدا اس کا آغاز کر دینا چاہیئے۔ ابتدائی کام اور اس کے طریقہ کار کے بارے میں بھی کچھ اصولی باتیں ہوئیں — پہلا مرحلہ یہ تھا کہ ہم خیال مخلصین کی ایک جماعت بنے۔ میں نے مولانا علی میاں سے کہا کہ پہلے ہمیں ایک ایسی شخصیت تلاش کر لینا چاہیئے جو اپنے کو پوری طرح اس کام کے لئے وقف کر دے، اس کی حیثیت امیر کی ہو اور اس میں وہ چیزیں کم از کم بقدر ضرورت موجود ہوں جو ایسی جماعت کے امیر میں ہونی چاہئیں۔ مولانا علی میاں سے میں نے کہا کہ اپنے متعلق میں پہلے ہی عرض کر دیتا ہوں کہ اپنے کو خوب جانچ تول کے میں اس نتیجہ پر پہنچ چکا ہوں کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں، اب آپ اپنے بارہ میں صاف طور سے بتائیں کہ آپ یہ ذمہ داری قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو سکتے ہیں؟ مولانا نے بھی اس سے معذوری ظاہر کی اور اسکی وجوہات بتلائیں — اسی گفتگو میں بعض اور ایسے حضرات کا ذکر آیا جن سے اسکی توقع کی جا سکتی تھی —

پھر ہم دونوں نے اس سلسلہ میں متعدد سفر بھی کئے، لیکن اس وقت کے اپنے خیالات و جذبات کے مطابق کوئی اجتماعی کام شروع نہیں کیا جا سکا —

یہاں یہ بھی عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ میں اسوقت تک حضرت مولانا محمد الیاس رح اور ان کے تبلیغی کام سے واقف نہیں تھا۔ اگر واقف ہوتا تو ممکن تھا کہ اس سے وابستہ ہونے کا فیصلہ کر لیتا۔

یہ واقعات جن کا اوپر کی سطروں میں ذکر آیا غالباً ۳۸ء اور ۳۹ء کے ہیں۔

اس زمانہ میں باشعور مسلمانوں کے جذبات میں عام طور سے ایک تلاطم برپا تھا اور ایسے کسی کام کے لئے زمین خاصی تیار تھی۔ اس لئے اس وقت طبیعت اس کے لئے سخت بے چین تھی کہ ایسا کوئی کام شروع ہو — اور دراصل دل کی زمین میں اس کا تخم تحریک خلافت کے زمانہ میں پڑ چکا تھا۔

دوسری جنگ عظیم:

پھر ۳۹ء میں جب دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی تو اس وقت یہ بے چینی اور بھی بڑھ گئی کیونکہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ جنگ دنیا کے اور قوموں کے نقشوں میں غالباً بڑی بڑی تبدیلیوں کا ذریعہ بنے گی۔

جنگ شروع ہو جانے کے بعد سے مولانا مودودی نے "ترجمان القرآن" میں جو مضامین مسلسل ہندوستانی تحریکات اور مسلمانوں کے نصب العین کے متعلق لکھے انہوں نے اس داعیہ کو اور بھی تیز کیا اور اس بے چینی کو اور آگے بڑھایا پھر ان مضامین ہی کی آخری قسطوں سے معلوم ہوا کہ مولانا اب پھر کوئی جماعت اس کام کے لئے بنانا چاہتے ہیں، جس کی وہ دعوت دے رہے ہیں — اس سلسلہ میں ان کا ایک اہم مضمون جماعت کی تاسیس سے کچھ ہی پہلے "ترجمان القرآن" سے نقل ہو کر رجب ۵۶ھ کے الفرقان میں بھی شائع کیا گیا تھا، اس کا عنوان تھا "دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور ہمارا فرض کیا ہے؟" یہ مضمون گویا جماعت اسلامی کی تاسیس کی تمہید تھا — قریباً اسی زمانے میں اس عاجز نے بمبئی کے دوستوں کی دعوت پر وہاں کا سفر کیا تھا اور وہاں مسلسل ۸ — ۱۰ تقریریں کی تھیں۔ ان تقریروں کا موضوع اور مرکزی نقطہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور اسلامی انقلاب کے لئے ایک منظم تحریک کی دعوت تھی۔ مجھے اعتراف ہے کہ اس زمانہ میں مولانا مودودی سے میں اتنا متاثر تھا کہ انہی کی اصطلاحوں اور انہی کی زبان کا ہوتا تھا۔ مثلاً اسلام کو "ایک انقلابی تحریک" کہتا تھا۔ بمبئی کی میری تقریریں مرتب ہو کر پہلے الفرقان میں اور پھر "خطبات بمبئی" کے نام سے کتابی صورت میں بھی شائع ہو گئی تھیں — ان تقریروں کو بھی میری طرف سے جماعت اسلامی کی تمہید کہا جا سکتا ہے — میرا حال اس زمانہ میں یہ تھا کہ مودودی صاحب کی صرف تعبیرات ہی کو نہیں بلکہ ان کے خاص افکار و نظریات کو بھی میرا ذہن اکثر بغیر کسی تنقید کے اپنا لیتا تھا۔ اسی دور میں

میں نے داڑھی کی مقدار اور انگریزی فیشن کے بالوں جیسے مسائل اٹھائے تھے۔

الفرقان کا "شاہ ولی اللہ نمبر" شائع ہوا تھا۔ مولانا مودودی صاحب نے میری فرمائش پر اسی کے لئے وہ مضمون یا مقالہ لکھا تھا جو بعد میں رسالہ "تجدید و احیاء دین" کے نام سے الگ بھی شائع ہوا اور جماعت اسلامی کے بنیادی لٹریچر میں شامل ہے۔ اگرچہ اسوقت بھی میرے ذہن نے اس کی بعض باتوں کو قبول نہیں کیا تھا، لیکن جہاں تک اب یاد ہے میں اس کو اسوقت مجموعی حیثیت سے ایک بصیرت افروز تحقیقی مقالہ سمجھتا تھا اور عام اشاعت کی نیت سے اسکو "شاہ ولی اللہ نمبر" سے الگ مستقل رسالہ کی شکل میں بھی چھپوایا تھا۔

انہوں دنوں میں میرا لاہور کا ایک سفر ہوا۔ بعض دوست جو میری ہی طرح مولانا مودودی سے خاص تعلق رکھتے تھے اور

ان کے مضامین اور ان کی دعوت سے کافی متاثر اور دینی دعوت کا کام شروع ہونے کے لئے بے چین تھے۔ مولانا کے قریب لاہور ہی میں انہوں نے قیام اختیار کرلیا تھا۔ انہیں یہ بات کسی درجہ میں معلوم تھی کہ میں مولانا مودودی سے ذاتی دوستانہ تعلق رکھنے اور ان کی دعوت اور ان کے اس وقت کے موقف سے اصولی طور پر متفق ہونے کے باوجود موصوف میں کوئی کمی محسوس کرنے کی وجہ سے "ادارہ دارالاسلام" کی تشکیل کے وقت اس کی رکنیت قبول نہیں کرسکا تھا۔ بہرحال جب میں لاہور پہنچا تو ان دوستوں نے مجھ سے باتیں کیں اور اس سلسلۂ گفتگو میں مجھے یہ بھی بتایا کہ مولانا کی زندگی میں اب کافی تبدیلی آگئی ہے اور ہمارے نزدیک اب جماعت بنا کر کام شروع کر دینے کا وقت آگیا ہے۔

میں جیسا کہ اوپر تفصیل سے لکھ چکا ہوں، قریباً دو سال سے اس بے چینی میں مبتلا تھا اور مختلف کوششوں کے باوجود ایسا دینی کام جیسا کہ میں اس وقت چاہتا تھا کہیں شروع نہیں ہوسکا تھا اس لئے میں پھر کچھ آمادہ ہوگیا؟ تبھی میں نے مزید اطمینان کے لئے مولانا مودودی سے کچھ باتیں کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ جب ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ سے آپ ہی کے متعلق تنہائی میں کچھ باتیں کروں گا۔ وہ اس کے لئے بخوشی تیار ہوگئے۔ میں نے ان سے صاف کہا:

آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی رائے سے بڑی حد تک اتفاق اور آپ نے ساتھ گہری ذاتی محبت اور تعلق کے باوجود میں ادارہ دارالاسلام کی تشکیل کے وقت رکن بننے سے کیوں رک گیا تھا۔ میرے نزدیک یہ تو صحیح ہے کہ ہم میں سے معصوم کوئی بھی نہیں ہے اور کسی دینی کام کے لئے کسی معصوم یا کامل ترین شخصیت کا انتظار کرنا غلط ہے، لیکن مجھے اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ جس قسم کا کام ہم آپ شروع کرنا چاہتے ہیں اس کے قائد کے لئے ضروری ہے کہ اس کی زندگی اس کی دعوت سے مطابقت رکھتی ہو۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو دعوت کے ساتھ نہ تو اللہ کی نصرت ہوگی اور نہ لوگ اس سے متاثر ہوں گے۔ میں نے یہ بھی عرض کیا کہ اس پورے عرصے میں اس قسم کے کام کے لئے میں بے چین رہا ہوں اور آپ سے مایوس ہونے کے بعد میں نے اس کے لئے مختلف کوششیں کیں لیکن کوئی کام شروع نہیں ہوسکا۔ اب مجھے ترجمان القرآن سے بھی معلوم ہوا تھا اور یہاں رہنے والے میرے آپ کے دوستوں نے بھی بتایا ہے کہ اب پھر اس مقصد اور اس دعوت کے لئے جماعت بنانے کا ارادہ کیا جارہا ہے۔ میں اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے آپ کے متعلق کچھ معلومات خود آپ سے ہی حاصل کرنا چاہتا ہوں"۔

مولانا نے فرمایا: آپ یہ کیوں فرض کرتے ہیں کہ جماعت کا قائد میں ہی ہوں گا۔ آپ کسی ایسے کو سوچئے جو آپ کے نزدیک اہل ہو۔ میں کہتا ہوں کہ آپ ہی اس ذمہ داری کو کیوں نہ قبول کریں۔

میں نے کہا: جہاں تک میری ذات کا سوال ہے میں اپنے آپ کو خوب تول کر یہ فیصلہ کرچکا ہوں کہ میں ایسی کسی جماعت کی قیادت کا ذمہ دار بننے کے لائق نہیں ہوں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اب تک میں میدان میں خود کود چکا ہوتا۔ اس لئے اس امکان پر بحث نہ کیجئے، کوئی اور آدمی بھی میری نظر میں نہیں ہے بلکہ میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ گذشتہ دو برسوں میں میں نے اس کی کوشش کی کہ کوئی اللہ کا بندہ جو اس کا اہل ہو وہ کھڑا ہوجائے لیکن میں ناکامیاب رہا۔ اس لئے یہ ہوگا ہی کہ اگر آپ کوئی جماعت بنائیں گے تو اس کے قائد یا امیر آپ ہی ہوں گے۔ اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے بارے میں فیصلہ کرنے سے پہلے آپ کے بارے میں خود آپ سے کچھ صاف صاف باتیں کرلوں۔

اس کے بعد میں نے مولانا سے چند سوالات کئے، ان میں کے جو یاد ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ میں نے پوچھا: مجھے صفائی سے بتائیے کہ احکام شریعت کے بارے میں اس وقت آپ کا طرز عمل کیا ہے؟

انہوں نے بتایا: میں اپنے امکان کی حد تک احکام شریعت کی پابندی کرتا ہوں اور کرنا چاہتا ہوں۔

۲۔ پھر میں نے ان سے کہا: یہ تو مجھے معلوم ہے کہ آپ تقلید شخصی کو ضروری نہیں سمجھتے، لیکن میرا خیال ہے کہ فتنوں کے اس زمانے میں یہ آپ بھی ضروری سمجھتے ہوں گے کہ جب مسئلہ پر ائمہ اربعہ متفق ہوں، اس کے خلاف نہ کیا جائے؟

انہوں نے کہا ہاں میں یہ ضروری سمجھتا ہوں اور اس سے خروج کو جائز نہیں سمجھتا۔

۳۔ (اس زمانہ تک بھی مولانا کی داڑھی بہت مختصر سی تھی اور سر پر انگریزی وضع کے بال بھی رہتے تھے) میں نے دوستانہ بے تکلفی کے ساتھ ان کی داڑھی کی طرف اشارہ کرکے عرض کیا کہ ایسی داڑھی

رکھنا آپ کے نزدیک جائز ہے؟

مولانا نے فرمایا: ہاں میں حرام یا ناجائز نہیں سمجھتا۔ البتہ خلاف اولیٰ سمجھتا ہوں۔ میری رائے یہ ہے کہ داڑھی اتنی ہونی ضروری ہے کہ دور سے نظر آئے اور بقدر یک مشت سنّت ہے۔

میں نے عرض کیا کہ کتب فقہ میں تو بقدر یک مشت کو واجب لکھا ہے۔ اور جو لوگ اس سے چھوٹی رکھتے اور کترواتے ہیں ان کے اس طرز عمل کو ناجائز کہا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔ میں نے اسوقت فتح القدیر اور در مختار وغیرہ کی یہ عبارت جو اس وقت مجھی زبانی یاد تھی پڑھ کر سنائی۔

واما ما یفعله بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال من قصہا وھی دون القبضۃ فلم یبحہ احد[1]

مولانا نے فرمایا لیکن فقہ حنبلی کی کتاب 'مغنی' میں تصریح ہے کہ اس سے کم رکھنا بھی جائز ہے۔

میں نے عرض کیا کہ: میں نے مغنی نہیں دیکھی، اس لئے اس کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن ایک اصولی بات عرض کرتا ہوں کہ اگر عام فقہاء و مجتہدین ایک فعل کو ناجائز کہتے ہوں، اور کسی کتاب میں کوئی قول اس کے جواز کا ہو اور اس کے کرنے میں کوئی شرعی مصلحت بھی نہ ہو تو ظاہر ہے کہ تقویٰ اور احتیاط کا تقاضہ یہی ہوگا کہ اس سے بچا جائے۔ علاوہ ازیں صحاح کی جن حدیثوں میں داڑھی رکھنے کا حکم بصیغۂ امر دیا گیا ہے ان میں دو لفظ آتے ہیں ایک "اَعْفُوا اللُّحیٰ" اور دوسرا "اَرْخُوا اللُّحیٰ" "اَعْفُوا" اور "اَرْخُوا" کے جو مصدر ہیں یعنی "اِعفا" اور "ارخاء" عربی لغت کی رو سے یہ فی الجملہ درازی اور بڑھوتری چاہتے ہیں۔ فقہاء نے غالباً صحابہ کے طرز عمل سے یہ سمجھا ہے کہ اگر قریباً ایک مشت داڑھی رکھی جائے تو ان لفظوں کا مطالبہ پورا ہو جائے گا۔ پس فقہ کی تصریحات سے تھوڑی دیر کے لئے صرف نظر کر کے بھی اگر آپ غور فرمائیں تو آپ کو بھی ماننا پڑے گا کہ صرف اتنی داڑھی رکھنے سے جو بقول آپ کے بس دور سے نظر آئے ان لفظوں کا مطالبہ پورا نہیں ہوتا بلکہ ان الفاظ کا صاف تقاضہ یہ ہے کہ داڑھی کو کچھ لمبا بڑھا ہوا اور لٹکا ہوا ہونا چاہئے اور آپ کی موجودہ داڑھی بہت چھوٹی ہے۔ اس لئے میرے نزدیک حدیث کی رو سے بھی اس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مجھے یاد ہے، مولانا نے میری یہ بات سن کر کچھ دیر خاموشی سے غور کرنے کے بعد فرمایا: میں نے اس مسئلہ پر اس طرح اور اس پہلو سے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ اب میرا خیال یہ ہے کہ آپ کی بات صحیح ہے اور مجھے اس کی اصلاح کر لینی چاہئے۔

اس کے بعد میں نے مولانا کے بالوں کی طرف اشارہ کر کے اسی دوستانہ انداز میں کہا: کیا اس طرح کے بال رکھنے میں آپ کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے؟

مولانا نے فرمایا: کیا یہ آپ کے نزدیک 'قزع' ہے۔

میں نے کہا: میں یہ تو نہیں کہتا کہ یہ قزع ہے لیکن یہ کہتا ہوں کہ اس طرح کے بال رکھنا صالحین کے طریقے کے خلاف اور غیر صالحین کا طریقہ ہے، اور خاص کر جو لوگ دین اور شریعت کی پابندی کے داعی ہوں ان کے لئے ایسی چیزوں کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔"

اس پر بھی مولانا نے فرمایا کہ یہ بات بھی آپ کی ٹھیک ہے، میں اس کی بھی اصلاح کر لوں گا۔[2] اس صحبت میں مولانا سے میں نے ان کے ذاتی حالات سے متعلق بعض اور باتیں بھی دریافت کیں اور انہوں نے بے تکلف جواب دیا۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ بعض اہل مغرب (بقیہ حاشیہ گذشتہ کالم): اور مخنث لوگوں کا یہ طرز عمل کہ وہ داڑھی ایک مشت سے کم رکھتے اور کترواتے ہیں، یہ کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔ (یہاں اہل مغرب سے مراد مراکش، ٹیونس وغیرہ مغربی عرب ملکوں کے لوگ ہیں)۔

[2] یہاں افسوس کے ساتھ اس واقعہ کا اظہار بھی اب ضروری ہو گیا ہے کہ اس گفتگو کے بعد بھی کم از کم چھ سات مہینے تک (جب تک کہ "جماعت اسلامی" کا دوسرا مشاورتی اجلاس لاہور ہی میں ہوا جس کا ذکر آگے آ رہا ہے) مولانا نے دونوں چیزوں (داڑھی اور سر کے بالوں) کسی کی بھی اصلاح نہیں فرمائی۔ قریب قریب وہی حال رہا جو میری اس گفتگو کے وقت تھا۔ چنانچہ اجلاس کے موقع پر میں نے مولانا امین احسن صاحب کو متوجہ کیا کہ وہ ان امور کے بارہ میں گفتگو کریں۔ مولانا موصوف نے گفتگو کی جس کا ذکر آگے آ رہا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ بالآخر مولانا مودودی صاحب نے ان دونوں چیزوں کی اصلاح فرمالی۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

یہ ساری گفتگو نہایت دوستانہ اور مخلصانہ فضا میں ہوئی۔

اس کے بعد میں نے اپنا اطمینان ظاہر کرکے مولانا سے کہا کہ اب آپ کوئی تاریخ مقرر کرکے جماعت کی تشکیل کے لئے سب کو دعوت دیجئے! یاد آتا ہے کہ غالباً اس وقت میرے مشورہ ہی سے تاریخ مقرر ہوئی اور دعوت دی گئی۔

مقررہ تاریخ پر پچھتر حضرات اچھی خاصی تعداد میں جمع ہوگئے اور "جماعت اسلامی" کی تشکیل عمل میں آئی (یہ شعبان سنہ ۶۰ھ (اگست سنہ ۴۱ء کا مہینہ تھا)۔ یہ ناچیز اسوقت پورے اطمینان کے ساتھ اس میں شریک ہوا تھا اور جماعت کی امارت کے لئے مولانا مودودی صاحب کا نام میں نے ہی پیش کیا تھا اور اس موقع پر یہ وضاحت کی تھی کہ جماعت کے امیر میں جو صفات ہونی چاہئیں خدا کے فضل سے وہ سب ان میں موجود ہیں اور اس لحاظ سے جماعت کے تمام موجودہ ارکان میں وہ مجموعی حیثیت سے فائق و ممتاز ہیں۔ ان کی علمی اور فکری بلندی کا تو میں پہلے ہی سے قائل تھا — تقویٰ کہیے یا اتباع شریعت' اس بارے میں ان کی اس گفتگو سے میں نے اپنے دل کو مطمئن کرلیا تھا جو چند روز پہلے ہوئی تھی (جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے)۔ اس تاسیسی اجتماع میں میرا جو حصہ رہا اس کا ذکر غالباً اجتماع کی روئداد میں بھی کیا گیا تھا' یاد آتا ہے کہ یہ اجتماع میری دعا پر ختم ہوا تھا۔ اور میں صرف رکن نہیں تھا بلکہ مجھے نائب امیر بھی بنایا گیا تھا۔[1]

اجتماع سے واپس آکر الفرقان کے شوال کے شمارہ میں میں نے "ایک دینی تحریک کا تعارف" کے زیر عنوان ایک طویل مضمون لکھا جس میں پوری تفصیل سے اس اجتماع اور جماعت اسلامی کی تاسیس وتشکیل کا تذکرہ کیا اور اس کے مقصد نصب العین اور دعوت وطریق کار کی وضاحت کی۔ اس مضمون میں میں نے جماعت کا دستور بھی پورا لفظ بہ لفظ شائع کیا تھا، بعض خاص نکات اور خاص کر امیر کی حیثیت سے متعلق مولانا مودودی صاحب کی تقریروں کے طویل طویل اقتباسات بھی نقل کئے تھے۔ آخر میں "بعض شکوک وشبہات اور ان کے جوابات" کے عنوان سے راقم سطور نے ایک مستقل مضمون لکھا تھا جس میں جماعت اور مولانا مودودی صاحب کی ذات سے متعلق ان تمام اعتراضات اور شکوک وشبہات کا جواب دیا گیا تھا جو اسوقت تک سامنے آئے تھے یا جن کا اندیشہ تھا۔ اپنے نزدیک اس عاجز نے اپنے اس مضمون میں انتہائی دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ پوری قوت واعتماد کے ساتھ عام مسلمانوں اور بالخصوص خواص امت کو جماعت میں شرکت یا کم ازکم تعاون کی دعوت دی تھی — یہ مضمون (ایک دینی تحریک کا تعارف) "الفرقان" کے ۴۵ صفحات پر آیا تھا اور الفرقان ہی کے حوالہ سے اس کو مولنا مودودی صاحب نے "ترجمان القرآن" میں بھی شائع کیا تھا۔

میرا خیال ہے کہ "جماعت اسلامی" کی ایسی مکمل اتنی مدلل دعوت کی وضاحت اسوقت تک خود مولانا مودودی صاحب کے قلم سے "ترجمان القرآن" میں بھی نہیں آئی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ میں اس زمانہ میں جماعت کی دعوت و وکالت کے جذبہ سے سرشار تھا۔ جہاں جانا ہوتا اور جس مجلس میں بات کرنے کا اتفاق ہوتا اکثر یہی میری گفتگو کا موضوع ہوتا۔ حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ میرے بعض دینی اکابر کو میرا یہ اقدام ناپسند ہے لیکن میں اپنے اقدام کو بالکل صحیح اور اپنے ان اکابر کو یہ خیال کرکے معذور سمجھتا تھا کہ ان کے سامنے وہ صورتحال اور وہ پوری بات نہیں ہے جو میرے سامنے آگئی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ): یہاں یہ بات بھی رنج اور دکھ کے ساتھ قابل ذکر ہے کہ اب سے ۲۲ سال پہلے جب الفرقان میں اپنی اس سرگزشت کے ضمن میں راقم سطور نے مولنا مودودی صاحب کے ساتھ اپنی اس گفتگو کا ذکر کیا تھا تو "جماعت اسلامی" کے مجاہدین قلم نے اس "گستاخی" اور "جسارت" پر میری خوب خبر لی تھی کہ اقامت دین کی مقدس تحریک کے سلسلہ میں میں نے داڑھی کی مقدار اور انگریزی فیشن کے بالوں جیسے مسائل اٹھائے تھے۔ اس کے بارے میں جو کچھ ان مجاہدین سے اور جماعت کے ذمہ داروں سے عرض کرنا مناسب سمجھا گیا تھا عرض کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس وقت اس سلسلہ میں یہ مزید عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ یہ ظلوم وجہول بندہ اپنے رب کریم کے اس کرم واحسان کا دل و زبان اور قلم سے شکر گزار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کے اس رویہ ہی کو مولانا کی داڑھی اور بالوں کی اصلاح کا ✻

✻ کا ذریعہ بنا دیا اور الحمد للہ بالآخر مولانا کی داڑھی ہندوستان وپاکستان کے علماء کی سی خوبصورت مولویانہ داڑھی ہوگئی اور بالوں کی بھی اصلاح ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ مولانا کے تمام محبین ومتبعین کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔

[1] میرے علاوہ مختلف علاقوں ✻✻

✻✻ کے تین حضرات اور بھی نائب امیر بنائے گئے تھے' مولانا امین احسن صاحب اصلاحی مولانا جعفر ندوی پھلواروی' مولانا سید صبغۃ اللہ بختیاری مدراسی۔

پھر شوال کے اس شمارہ کے بعد ذوالقعدہ ذی الحجہ کے مشترک شمارہ میں بھی جماعت سے متعلق کئے جانے والے سوالات اور شکوک و شبہات کے جواب ہی میں ایک اور مستقل مضمون لکھا اس کا عنوان تھا — "کچھ جماعت اسلامی سے متعلق" یہ گیارہ صفحے کا مضمون تھا۔ بہرحال جماعت کی تاسیس کے بعد سے "الفرقان" مولانا مودودی صاحب کے "ترجمان القرآن" ہی کی طرح "جماعت اسلامی" کا آرگن ہوگیا، اسوقت اس کی یہی دعوت تھی اور یہی اس عاجز کی زندگی کا موضوع۔

اس سلسلہ میں یہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ جماعت کی تاسیس کے کئی مہینے بعد مولانا نے مجھے ایک خط کے ذریعہ یہ خوشخبری سنائی کہ مولانا محمد علی کاندھلوی صاحب[۱] نے بھی "جماعت" کی رکنیت قبول کرلی ہے اور بڑے جذبہ سے آئے ہیں۔ راقم سطور کو اس اطلاع سے بڑی خوشی ہوئی کیونکہ مولانا موصوف ہمارے حلقہ (جماعت دیوبند) کے ایک معروف عالم دین تھے اور اس دور میں اس عاجز کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ ہماری جماعت "جماعت اسلامی" کی دعوت کو اپنالے لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد مولانا مودودی صاحب کی تحریریں پڑھ کر ان کے ذہن میں کچھ اعتراضات اور خدشات پیدا ہونے لگے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مولانا مودودی صاحب سے خط و کتابت کی۔ مجھے بھی کئی صفحے کا ایک طویل خط لکھا، میں نے پوری تفصیل سے اس کا جواب دیا اور ان کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ میرا یہ خط بھی "جماعت اسلامی" کی وکالت و مدافعت کے سلسلہ کی اہم تحریروں میں سے ہے یہ جمادی الاخری ۱۳۶۱ھ کے الفرقان میں شائع ہوا تھا ۱۵ صفحات پر تھا۔ اس کو مولانا مودودی صاحب نے الفرقان کے حوالہ سے "ترجمان القرآن" میں بھی شائع کیا تھا۔ اس کا عنوان تھا "جماعت اسلامی کی حقیقت اور ہمارے کام کی نوعیت۔ بعض شبہات کا جواب" اس وقت میرا خیال تھا کہ یہ مضمون لکھ کر میں نے "جماعت اسلامی" کے معترضین پر حجت تمام کردی ہے۔

جماعت کے ابتدائی دور میں جماعت کی دعوت سے متعلق مولانا مودودی صاحب کی ہر اہم تحریر بالالتزام "الفرقان" میں شائع کی جاتی تھی، ان کا مشہور مقالہ "اسلامی حکومت کیونکر قائم ہوتی ہے" اور دوسرا مقالہ "اسلام کا نظریۂ سیاسی" یہ دونوں بھی الفرقان میں شائع کئے گئے اور ان کو میں نے الگ مقالہ کی شکل میں بھی چھپوایا تاکہ حسب موقع لوگوں کو مفت بھی دیا جاسکے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا اس دور میں "الفرقان" جماعت اسلامی کا آرگن تھا اور اس کی دعوت و کالت ہی اس عاجز کی زندگی کا موضوع تھا اور ارشاد نبوی:

"لایومن احدکم حتی
یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ"

کے مطابق جی چاہتا تھا کہ اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھنے والے سارے ہی بندوں کا یہی حال ہوجائے۔

اس واقعہ کے اظہار میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ اسوقت یہ اظہار غالباً مناسب ہی ہوگا کہ اسوقت جماعت میں مولانا مودودی کے بعد اس ناچیز ہی کو سمجھا جاتا تھا۔ خود مولانا بھی میرے ساتھ خصوصی اکرام کا معاملہ فرماتے تھے جس کا مجھے ممنون ہونا چاہیئے۔

جماعت کی تاسیس کے بعد میرا لکھنو وغیرہ کا سفر، مولانا علی میاں کی جماعت میں شرکت اور مولانا امین احسن صاحب سے ملاقات:

مولانا ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ میرا جو رابطہ اور تعلق تھا اور خیالات و جذبات میں جو ہم آہنگی تھی اس کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔ وہ لاہور کے اس اجتماع میں شریک نہیں ہوئے تھے جس میں "جماعت اسلامی" کی تشکیل ہوئی تھی لیکن اس اجتماع کی اور تشکیل کے سلسلہ کی ساری تفصیلات مولانا موصوف کو بعض اُن رفقائے جماعت سے معلوم ہوچکی تھیں جو لکھنؤ سے لاہور پہنچ کر اس تاسیسی اجتماع میں شریک ہوئے تھے۔ نیز اس سلسلہ میں میری ان کی خط و کتابت برابر ہوتی رہی تھی — بہرحال انہوں نے جماعت میں شرکت کا فیصلہ کرلیا تھا اور مجھے اس کی اطلاع دے دی تھی۔ میں نے ایک سفر لکھنؤ کا کیا، جن حضرات کے ذہن "ترجمان" کے مطالعہ سے "جماعت اسلامی" کی دعوت قبول کرنے کے لئے تیار ہوچکے تھے ان کا ایک مختصر سا اجتماع ایک رفیق کے مکان پر ہوا۔ میں نے تفصیل سے دعوت کا تذکرہ کیا اور لاہور کے تاسیسی اجتماع کی کارروائی اور اس کے بارہ میں اپنے تاثرات ذکر کئے اور پھر جماعت میں شرکت کے شرائط وغیرہ بیان کئے۔ مولانا علی میاں اور چند اور دوستوں نے اسی اجتماع میں کلمۂ شہادت کے اعادہ کے ساتھ باقاعدہ جماعت کی رکنیت قبول کی۔[۱]

---

[۱] یہ مولانا کاندھلوی ایک صاحب مطالعہ اور صاحب نظر عالم دین تھے سیالکوٹ میں قیام تھا۔ ملک کی تقسیم کے بعد بھی وہیں رہے۔

[۱] جماعت کی رکنیت قبول کرتے وقت کلمۂ شہادت کے اعادہ کا معمول تھا جس طرح مشائخ سلوک کے ہاں بیعت کے وقت کلمۂ شہادت پڑھنے کا معمول ہے۔

اسی زمانہ میں میں نے ایک سفر اعظم گڑھ کا بھی کیا۔ اب یاد نہیں رہا۔ شاہ گنج اور اعظم گڑھ کے درمیان کس اسٹیشن پر ادھر سے جانے والی اور ادھر سے آنے والی ٹرینیں کسی سبب سے کچھ دیر کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ میں نے دیکھا کہ اعظم گڑھ سے آنے والی ٹرین کے (اس وقت کے) سیکنڈ کلاس میں مولانا سید سلیمان ندوی تشریف فرما ہیں۔ جلدی سے اپنی ٹرین سے اُن کی ملاقات کے لئے ان کے پاس پہنچا، سلام اور مزاج پرسی کے بعد سید صاحب نے پہلی بات یہ فرمائی کہ:

"جماعت اسلامی میں مودودی صاحب کے ساتھ آپ بھی شریک ہیں؟ کیا آپ اُن کے بارے میں بالکل مطمئن ہیں؟"

میں نے عرض کیا کہ ہاں میں تو اطمینان کر کے ہی شریک ہوا ہوں"۔

فرمایا: "خیر خدا کرے آپ کا اطمینان درست ہو، مجھے تو ان کی تحریروں میں تجدد کی بو آتی ہے۔ ایسے لوگ دین کے معاملے میں بھروسے کے قابل نہیں ہوتے"۔ اس کے بعد سید صاحب کی ٹرین روانہ ہونے لگی اور میں آکر اپنی ٹرین میں بیٹھ گیا۔

اسی سفر میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر پہنچ کر مولانا امین احسن صاحب اصلاحی سے ملا۔ مولانا سے میرا کوئی خاص تعلق یا تعارف اس وقت تک غالباً نہیں تھا۔ شاید ایک دو دفعہ ملاقات کی نوبت آئی ہو اور کبھی کبھار انہوں نے یا میں نے کسی ضرورت سے خط لکھا ہو۔ لیکن معلوم نہیں کیوں، وہ میرے ساتھ خاص محبت اور اعتماد کا اظہار فرماتے تھے۔ یہاں یہ ظاہر کر دینا بھی مناسب ہو گا کہ جس زمانہ میں مولانا مودودی کا قلم بڑی تیزی اور بڑی طاقت کے ساتھ جنگ آزادی میں کانگریس کا ساتھ دینے والے مسلمان حلقوں کے خلاف چل رہا تھا (جن کی زد خاص طور سے "جمعیۃ العلماء" پر پڑتی تھی) جس سے اس زمانے تک میرا بھی تعلق تھا تو مولانا امین احسن، مولانا مودودی کی تحریروں کا جواب لکھنے والوں میں تھے بلکہ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ ان دنوں میں صرف انہی کی تحریریں ایسی ہوتی تھیں جن کو کسی درجہ میں مولانا مودودی کی تحریروں کا جواب کہا جا سکتا تھا لیکن ۱۹۳۹ء میں جنگ عظیم چھڑ جانے کے بعد مولانا مودودی نے جب مسلمانوں کے دوسرے گروہ (مسلم لیگ وغیرہ) کے رویہ پر اسی قسم کی سخت تنقید شروع کی اور یہ ظاہر کر دیا کہ ان کی اصل دعوت "لتکون کلمۃ اللّٰہ ھی العلیا" کی ہے اور ان کا موقف مسلم قومیت کے پرستاروں سے بھی اتنا ہی الگ ہے جتنا کہ نظریۂ وطنیت کے پرستاروں کا ہے' تو مولانا امین احسن کی رائے مولانا مودودی کے ساتھ ہو گئی اور جب جماعت اسلامی کی تاسیس عمل میں آئی تو چند روز کے بعد انہوں نے بھی اس کی رکنیت قبول کر لی ____ میں جب سرائے میر پہنچا ہوں تو مولانا امین احسن جماعت کے رکن بن چکے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے مجھ سے کہا کہ:

"بھئی صاف بات یہ ہے کہ میں مودودی صاحب کو نہیں جانتا، تمہیں جانتا ہوں اگر مودودی صاحب کل کو کسی غلط راستے پر چل پڑے تو میں خدا کے سامنے تمہیں پکڑ کے پیش کر دوں گا کہ ان سے پوچھئے میرے ذمہ دار یہی ہیں"۔

لیکن یہ گفتگو کچھ اس طرح تھی کہ میں نے اس کو ایک طرح کا مزاح ہی سمجھا۔ البتہ میں نے اس موقع پر انہیں یہ بتا دینا ضروری سمجھا کہ مودودی صاحب کے بارے میں میرا خیال اور اندازہ کیا ہے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ اس وقت میں نے ان سے کہا تھا کہ

"اصل بات یہ ہے کہ اس دعوت اور اس کام کے لئے جیسا آدمی چاہیئے مودودی صاحب ویسے تو نہیں ہیں لیکن اگر ان کے ساتھ دو چار آدمی اور ایسے مل جائیں جو ان کی کسر کو کچھ پورا کریں جو ان میں ہے تو انشاء اللہ کام کچھ چل جائیگا"۔

پہلی تاسیسی اجتماع کے قریباً چھ مہینے کے بعد جماعت اسلامی کے اہل حل وعقد کی مجلس شوریٰ کا لاہور میں اجتماع ہوا۔ میں اس وقت آنکھوں کی سخت تکلیف میں مبتلا تھا (آنکھوں میں زخم ہو گئے تھے اور پٹی بندھی رہتی تھی) گھر والے کسی طرح اس کے روادار نہیں تھے کہ میں اس حالت میں سفر کروں لیکن اسی حال میں میں نے بریلی سے لاہور تک کا سفر کیا اور اجتماع میں شرکت کی۔ مولانا امین احسن اور مولانا علی میاں بھی اس میں شریک ہوئے اور جماعت کے کسی اجتماع میں ان دونوں حضرات کی یہ پہلی شرکت تھی۔ مودودی صاحب کی ظاہری ہیئت کے ان پہلوؤں میں جن کی اصلاح کا انہوں نے وعدہ کیا تھا خاطر خواہ تبدیلی نہ دیکھ کر مجھے سخت افسوس اور دکھ ہوا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس سلسلہ میں اب میں خود ان سے کچھ نہ کہوں، اس لئے میں نے تنہائی میں مولانا امین احسن صاحب سے کہا کہ آپ ان چیزوں کی طرف مولانا کو توجہ دلائیں تاکہ مولانا کو یہ محسوس ہو کہ صرف میں ہی ان اصلاحات کو ضروری نہیں سمجھتا ہوں بلکہ مولانا اصلاحی جیسے قریب قریب انہیں کے طرز کے روشن خیال عالم بھی اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر اور ایجنسی نمبر کا حوالہ ضرور دیں ورنہ تعمیل نہ ہو سکے گی۔

[redacted]

الشیخ محمد بن عبد الوہاب رح

عقائد، دعوت اور علماء کی رائے

اس وقت ہمارے سامنے محکمۂ شرعیہ قطر کے قاضی الشیخ احمد بن حجر آل ابوطامی کا کتابچہ ہے جس میں انہوں نے شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کی زندگی، عقائد، دعوت اور ان کے بارے میں علماء کی آراء کا تذکرہ کیا ہے۔ کتابچہ کا عنوان ہے

الشیخ محمد بن عبد الوہابؒ
عقیدتہ السلفیہ ودعوتہ الاصلاحیۃ
وثناء العلماء علیہ

کتابچہ کی تصحیح سعودی عرب کے مقتدر عالم دین فضیلۃ الشیخ عبد العزیز بن الباز نے کی ہے اور اس پر مقدمہ بھی لکھا ہے اور اسے مرحوم شاہ فیصل کے حکم پر ۱۳۹۵ھ میں حکومت سعودی عرب کی طرف سے طبع کرا کے مفت تقسیم کیا گیا ہے۔

عربی ٹائپ کے ۱۲۰ سے زائد صفحات پر پھیلے ہوئے اس کتابچہ میں مصنف قاضی احمد بن حجر نے سب سے پہلے شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کی ولادت، تعلیم اور اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد نجد کے حالات شیخؒ کی تحریک اور اس کے نتائج پر روشنی ڈالی ہے۔ حجاز و نجد میں سعودی حکومت کے قیام اور آل سعود کی طرف سے شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کی تائید وحمایت کا تذکرہ کیا ہے۔ شیخ کی تصانیف کا تعارف کرایا ہے بعد ازاں شیخؒ اور ان کی تحریک کے بارے میں پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا ذکر کرتے ہوئے شیخؒ اور ان کے رفقاء کے عقائد ونظریات کو واضح کیا ہے اور آخر میں علماء واکابر کی ان آراء کو درج کیا ہے جن میں شیخؒ اور ان کی تحریک کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ عقائد وافکار کے ضمن میں مصنف نے خود شیخ محمد بن عبد الوہابؒ اور ان کے فرزند شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہابؒ کی تصانیف اور مکاتیب کے حوالے سے تفصیلی بحث کی ہے اس بارے میں حلقۂ عوام میں موجود مختلف آراء و قیاسات کے پیش نظر اس بحث کے اہم امور کا ذکر مناسب ہوگا۔

اہل السنۃ والجماعۃ

مصنف نے ص ۲۴ پر شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کا "اہل القصیم" کے نام مکتوب نقل کیا ہے جس کا آغاز یوں ہے:

"اشہد اللہ ومن حضرنی من الملائکۃ واشہد کم انی اعتقد ما اعتقدہ اہل السنۃ والجماعۃ (میں اللہ تعالیٰ کو اور اپنے پاس موجود فرشتوں کو گواہ بناتا ہوں اور آپ لوگوں کو بھی گواہ بناتا ہوں کہ میرے عقائد وہی ہیں جو اہل السنۃ والجماعت کے ہیں۔

اس کے بعد عقائد کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں

— میں اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، بعث بعد الموت پر اور تقدیر پر ایمان رکھتا ہوں۔

— قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے۔

— نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد کے زمانوں کے لئے جو خبریں دی ہیں میں ان سب کو مانتا ہوں۔

— قبر کے عذاب اور راحت پر میرا ایمان ہے اور جسموں میں ارواح کے اعادہ کا قائل ہوں۔

— حشر نشر کو مانتا ہوں۔

— نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر پر میرا ایمان ہے۔

— نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت حق ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے پہلے شافع ہیں۔

— میں جنت اور دوزخ کو مانتا ہوں۔ وہ اب بھی موجود ہیں اور کبھی فنا نہیں ہوں گی۔

— نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت مانتا ہوں۔

— صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ، پھر حضرت عثمانؓ پھر حضرت علیؓ پھر باقی عشرہ مبشرہؓ، پھر اہل بدر، پھر بیعت رضوان کے شرکاء، پھر باقی صحابہ کرامؓ۔

— صحابہ کرامؓ سے محبت کرتا ہوں اور ان کے محاسن کا ذکر کرتا ہوں۔ ان کا نامناسب ذکر نہیں کرتا۔ ان کے لئے استغفار کرتا ہوں اور ان کے باہمی تنازعات پر سکوت اختیار کرتا ہوں۔

— صحابہؓ اور امہات المومنینؓ کی فضیلت کا قائل ہوں اور انہیں ہر برائی سے پاک سمجھتا ہوں۔

— اولیاء کرام کی کرامات کا قائل ہوں لیکن انہیں اللہ تعالےٰ کے معاملات میں شریک نہیں سمجھتا۔

— کسی مسلمان کے جنتی یا دوزخی ہونے کی شہادت نہیں دیتا، مگر جس کے بارے میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ہاں نیک کے لئے جنت کی امید رکھتا ہوں اور بدکار کے لئے دوزخ کا خوف رکھتا ہوں۔

— کسی مسلمان کی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتا۔

— جہاد کو جاری مانتا ہوں۔ اسے کسی ظالم کا ظلم یا کسی عادل کا عدل ختم نہیں کرسکتا۔ مسلم حکمرانوں کے لئے سمع اور طاعت کو واجب مانتا ہوں جب تک اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دیں۔

— اہل بدعت سے نفرت اور لاتعلقی کو ضروری سمجھتا ہوں جب تک توبہ نہ کرلیں۔ ان کے بارے میں ظاہر کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہوں اور دلوں کی بات اللہ تعالےٰ کے سپرد کردیتا ہوں۔

ائمہ اربعہ

اس کے بعد مصنف نے صـ۳۸ پر عراقی عالم الشیخ عبدالرحمن بن عبداللہ السویدی کے نام شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کا خط نقل کیا ہے جس میں شیخ لکھتے ہیں:

"عقیدتی ودینی الذی ادین اللہ به هو مذهب اهل السنة والجماعة الذی علیه ائمة المسلمین مثل الائمة الاربعة واتباعهم الی یوم القیامة"

میرا عقیدہ اور دین جس کے ساتھ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہوں وہی ہے جو اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے اور جس پر مسلمانوں کے ائمہ مثلاً ائمہ اربعہ اور ان کے پیروکار قیامت تک ہیں۔

صـ۴۱ پر مصنف نے "الاسماء والصفات" کے بارے میں شیخؒ کے ایک رسالہ کا یہ اقتباس بھی نقل کیا ہے:

الذی نعتقد وندین اللہ به هو مذهب سلف الائمة وائمتها من الصحابة والتابعین والتابعین لهم باحسان من الائمة الاربعة واصحابهم رضی اللہ عنهم

ہمارا دین واعتقاد وہی ہے جو سلف صالحین اور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا ہے اور ائمہ اربعہ اور ان کے اصحابؒ کا ہے جنہوں نے صحابہؓ اور تابعینؒ کی اچھے طریقے سے پیروی کی۔

اختلافی مسائل

مصنف نے ان اختلافی امور کا بھی ذکر کیا ہے جن میں شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نے اپنے معاصر علماء سے اختلاف کیا ہے مثلاً

— اہل اللہ کی قبور پر اجتماعات، غیراللہ کے لئے نذر ونیاز اور ان سے مدد مانگنے کو شیخؒ نے شرک کہا ہے۔

— شیخؒ توسل بالاعمال کے قائل ہیں توسل بالذوات کو نہیں مانتے۔

— مسجد حرام، مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسجد اقصیٰ کے سوا کسی اور مسجد کی طرف شد رحال (بقصد سفر) کے قائل نہیں۔

— قبور پر عمارات اور ان کی تزئین وآرائش کو شیخؒ حرام سمجھتے ہیں۔

— میلاد النبی کی محافل اور اذان کے بعد باآواز بلند درود شریف پڑھنے وغیرہ اعمال کو شیخؒ بدعات قرار دیتے ہیں۔

تقلید:

صـ۵۶ پر مصنف نے شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے فرزند شیخ عبداللہ کے طویل مکتوب کا یہ حصہ نقل کیا ہے:

ونحن ایضاً فی الفروع علی مذهب الامام احمد بن حنبل ولاننکر علی من قلد الائمة الاربعة دون غیرهم لعدم ضبط مذاهب الغیر کالرافضة والزیدیة والامامیة ونحوهم لانقرهم ظاهرا علی شئ من مذاهبهم الفاسدة بل نجبرهم علی تقلید احد الائمة الاربعة۔

"ہم فروعات میں امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر ہیں اور ائمہ اربعہ کی تقلید کرنے والوں پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں بلکہ ان کے علاوہ دوسروں پر ہمیں اعتراض ہے کیونکہ ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسروں کے مذاہب منضبط نہیں جیسے رافضی، زیدی، امامی اور ان جیسے حضرات۔ ہم ان لوگوں کے فاسد مذاہب میں سے

کسی بات پر قائم نہیں سمجھتے بلکہ انکو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی ضرور تقلید کریں۔"

اس کے بعد شیخ عبداللہؒ نے ان غلط فہمیوں کا بھی ذکر کیا ہے جو شیخ محمد بن عبدالوہابؒ اور ان کی تحریک کے بارے میں لوگوں میں پھیل گئیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

ہمارے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ

- قرآن کریم کی تفسیر اپنی رائے سے کرتے ہیں۔ اسی طرح حدیث کا مفہوم خود متعین کرتے ہیں اور مفسرین و شراح کی طرف رجوع نہیں کرتے۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں معاذ اللہ کسی قسم کی گستاخی کرتے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت کے منکر ہیں۔
- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کی زیارت کو غیر مسنون کہتے ہیں۔
- علماء کے اقوال کو نہیں مانتے۔
- اپنے سوا باقی سب مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔
- بیعت کرنے والے سے یہ اقرار کراتے ہیں کہ وہ مشرک تھا اور اس کے ماں باپ شرک پر مرے۔
- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔
- زیارت قبور کی مطلقاً ممانعت کرتے ہیں۔
- اہل بیت کے حق کو نہیں مانتے اور انہیں غیر اہل بیت میں نکاح کرنے پر مجبور کرتے ہیں، وغیرہ ذلک یہ سب خرافات اور بہتان الزامات ہیں سبحانک ہذا بہتان عظیم

کیونکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ:

- جناب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علی الاطلاق تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ وہ اپنی قبر میں حیات برزخیہ کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کی زندگی شہداء کی زندگی سے زیادہ قوی ہے۔
- جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے میں اپنے اوقات صرف کئے اس نے سعادت دارین حاصل کی۔
- ہم کراماتِ اولیاء کو حق مانتے ہیں اور شریعت کی پیروی کرنے والے حضرات کی بزرگی اور ولایت کے قائل ہیں۔
- کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے مسلمان گناہگار ہو جاتا ہے لیکن اسلام کے دائرہ سے نہیں نکلتا۔ وغیرہ ذلک

اس کے بعد مصنف نے شیخ محمد بن عبدالوہابؒ اور ان کی تحریک کے بارے میں معاصر علماء کی آراء ذکر کی ہیں مگر کتابچہ میں ایک بات جو ہمیں بری طرح کھٹکی ہے وہ یہ ہے کہ مصنف نے ص۱ پر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور اس دور کے حالات کے ساتھ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی دعوت اور ان کے دور کے حالات کا تقابل کیا ہے جس کے آغاز میں اگرچہ مصنف نے یہ وضاحت کر دی ہے کہ

اس تقابل سے مقصود
جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ شیخ کا (معاذ اللہ)
تقابل نہیں کہ اس کا
تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن اس وضاحت کے باوجود اس قسم کے تقابل سے ایک مسلمان کی فطرت سلیمہ طبعاً ربار کرتی ہے اور جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و حرمت کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جہاں تاویلات و توجیہات پر بہرحال ادب و حرمت کے تقاضوں کو فوقیت حاصل ہے۔ ہمارے نزدیک مصنف نے ایسا کر کے ادب و حرمت اور تاویلات کے درمیان توازن کو ملحوظ نہیں رکھا۔

بقیہ: اسلام کی خاتون اول

ہے۔ ان کی سیرت موجودہ فتنوں کے زمانہ اور بے حیائی و عریانی کے دور میں ہمارے لئے روشنی کا مینار اور مشعل راہ ہے — خداوند قدوس مسلمان خواتین کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

بقیہ: رواں دواں

"ماسکو جواب" گولیاں چھلنی کرتی ہوئی گزر گئیں اور اب پھر ایک نیا حاکم آ گیا" ببرک کارمل" اس کی بھی وہی خواہشیں وہی امنگیں ہیں کہ من مانی کرے، اقتدار کے مزے لوٹے، مگر صد افسوس کہ اب ایسا نہیں ہوگا۔ ببرک کارمل مکمل کٹھ پتلی ہے محض دکھاوا ہے' فریب اور صرف فریب! روسی فوجیں پورے ملک پر قابض ہیں۔ وہ بحر ہند میں پہنچنے کا راستہ بنانا چاہتی ہیں۔ افغان حریت پسند ظلم تلے دبی ہوئی آواز میں چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں: ظالموں ہمارا ملک چھوڑ دو! ہماری ماؤں نے ہمیں آزاد جنا ہے۔"

"ہم سوویت روس کو چیکوسلواکیہ کی تاریخ دہرانے کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے۔"
"ہماری ماؤں نے ہمیں آزاد جنا ہے۔"
"ہم آزاد رہنا چاہتے ہیں۔"

زیورات
کے فینسی اور نولجوت
بکس
بنانے کا مرکز
اسلم فاروقی جیولری بکس میکرز
گلی زرگراں کوچہ ابوبکر
ٹیکسلا، ضلع راولپنڈی

خط و کتابت کرتے وقت
خریداری نمبر
کا حوالہ ضرور دیں۔

قرآنی مطالعہ اور اس کے آداب

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

یہ تقریر ۲۶ جولائی ۸۲ء کو قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور کے ایک منتخب جلسے میں کی گئی۔ اس جلسہ میں علقہ تدبر قرآن سے تعلق رکھنے والے حضرات دور دراز کا سفر کر کے آئے تھے۔

قرآن مجید ہر موقع پر مشکل کشائی اور دستگیری کرتا ہے

برادران عزیز! قرآن مجید کے معجزات میں سے جن کا سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا یہ بھی ہے کہ وہ ہر موقع پر مشکل کشائی اور دستگیری کرتا ہے۔ مجھے بارہا اس کا تجربہ ہوا کہ میں کسی تقریر کے موقع پر یہ طے نہ کر سکا کہ اپنی بات کہاں سے شروع کرونگا اور مجھے آج کیا کہنا ہے اور قاری نے قرآن مجید کی تلاوت کی اور مجھے معلوم ہوا کہ دوسرے لوگوں کے سننے سے پہلے وہ آیتیں مجھے سنائی جا رہی ہیں اور ان آیتوں کا انتخاب میرے لئے کیا گیا ہے۔ مجھے اپنے غیر ملکی دوروں میں بھی اس کا تجربہ ہوا کہ دن بھر کی مصروفیتوں اور نقل و حرکت میں اس پر غور کرنے کی نوبت ہی نہ آئی کہ کس موضوع پر تقریر ہو گی کہیں تو موضوع کا تعین ہو جاتا ہے اور کہیں نہیں ہوتا تو میں نے اس کو خدا پر چھوڑ دیا کہ وہ وقت پر رہنمائی فرمائے گا۔ چونکہ جو چیز اس کی طرف سے آتی ہے اس کو عارفین "وارد" کہتے ہیں، یعنی ایک عزیز مہمان جس کا وارد ہوا ہے، اس میں اپنے ارادہ اور انتخاب کو کوئی دخل نہیں۔ اس موقع پر بھی یہی پیش آیا۔ اللہ تعالٰے جزائے خیر دے عزیز قاری کو جو انہیں نے آیتیں پڑھیں اس میں ہماری رہنمائی ہوئی۔ قبل اس کے کہ میں آیت کی تشریح میں کچھ عرض کروں اور قرآن مجید کے طالبعلموں کے سامنے اپنے کچھ تجربے، کچھ مشورے پیش کروں کہ حقیقت میں وہی میرے مخاطب ہیں، کچھ اپنی حقیر ذات اور علمی سفر کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

قرآن مجید کی حکمت دعوت:

ڈاکٹر صاحب نے بڑی خوبی سے میرا تعارف کرایا، لیکن میں کسقدر تعارف ضروری سمجھتا ہوں اور سنت یوسفی کے مطابق یہ فرض بھی خود ہی انجام دیتا ہوں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس تعبیر پوچھنے والے گئے تو انہوں نے فرمایا۔ ذٰلکما مما علمنی ربی۔ سب سے پہلے سامعین کو یا جو کوئی استفسار لے کر جائے اس کو اس اطمینان ہوتی ہے کہ وہ جس کے پاس گئے ہیں اس سے کچھ مدد بھی مل سکتی ہے یا نہیں۔ انتخاب میں انہوں نے کچھ غلطی تو نہیں کی، تو انہوں نے ضروری سمجھا کہ کہہ دیں۔ ذٰلکما مما علمنی ربی انی ترکت ملۃ قوم لا یؤمنون باللہ وھم بالآخرۃ ھم کفرون۔

یہ نبیؑ کا کلام تھا اور اس میں ایک طرح کی خودستائی کی بو نکلتی تھی اور یہ وہم ہو سکتا تھا، اس لئے انہوں نے فوراً فرما دیا کہ

"ذٰلکما مما علمنی ربی"

میں تمہاری اس موقع پر مدد کر سکتا ہوں، مجھے اللہ نے یہ علم عطا فرمایا ہے لیکن یہ علم کیوں عطا کیا ہے؟

"انی ترکت ملۃ قوم لا یؤمنون باللہ" یہ میری ذہانت کا نتیجہ نہیں ہے، میری نجابت کا بھی یہ نتیجہ نہیں، حالانکہ یہ دونوں چیزیں موجود تھیں اور یہ بدرجہ کمال و جمال، لیکن انہوں نے فرمایا۔ انی ترکت ملۃ قوم

لا یومنون باللہ وھو بالآخرۃ ھو کٰفرون۔ اس علم کا اضافہ اس لیے ہوا کہ میں نے اس قوم کی ملت چھوڑ دی جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتی اور آخرت کی منکر تھی۔ واتبعت ملۃ آبائی ابراھیم واسحاق و یعقوب" اور اس کے بعد انہوں نے وہیں سے توحید کے وعظ کا مدخل پیدا کر لیا۔ عزیزو! تم جس کو بڑا مسئلہ سمجھ رہے ہو اور جو مشکل تم کو بیان نے کرائی ہے، اس سے بڑی مشکل درپیش ہے، وہ ہے عقیدہ، یہ خواب جو تم نے دیکھا، خواب تو خواب ہی ہوتا ہے لیکن معاملہ بیداری کا ہے، معاملہ زندگی کے مستقبل کا ہے، معاملہ ابدی اور دائمی زندگی کا ہے۔ ہاں تو تم کو خواب کی تعبیر دینے والا دنیا میں کوئی بھی نہ ملے تب بھی کوئی بڑا نقصان نہیں لیکن اس خواب ہستی کی تعبیر دینے والا اگر کوئی نہ ملا کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے، کائنات کا خالق کون ہے؟ اگر اس کی صحیح معرفت نہ ملی تو اصل خطرہ یہ ہے، پھر انہوں نے اتنا ہی DOSE دیا جتنا DOSE چاہیے تھا۔ وہ جانتے تھے کہ غرض لے کر آئے ہیں، ان کو ایک ذہنی پریشانی ہے، یہ اتنا صبر نہیں کر سکتے کہ ان کو ایک یا دو گھنٹے تبلیغ کر دوں، اس لیے انہوں نے بالکل صحیح احساس تناسب کے ساتھ جو ایک حاذق طبیب رکھتا ہے اور ایک دانا حکیم رکھتا ہے ایک معلم رکھتا ہے، اتنا ہی ڈوز دیا جتنے ڈوز کے وہ متحمل تھے۔

دل کا دروازہ کبھی کبھی کھلتا ہے،

آپ اس تناسب کو دیکھئے، اس میں جمال یوسفی پورے طور پر عیاں ہے۔ اس میں نہ کمی ہے نہ زیادتی، ناپ تول کر جہاں رک جانا چاہیے وہاں رک گئے، یعنی توحید کی پوری بات کہی، لیکن اس کو اتنا دراز نہیں کیا کہ وہ لوگ یہ کہنے لگتے کہ آپ اگر خواب کی تعبیر دے سکتے ہیں تو دیجئے، ورنہ ہم زحمت سے آئیں گے۔ حضرت یوسف نے دیکھا کہ ان کے دل و دماغ کا دروازہ کھلا ہے اور دل کا دروازہ کبھی کبھی کھلتا ہے، قسمت سے کھلتا ہے، کبھی کسی غرض سے کھلتا ہے، کبھی کسی پریشانی سے کھلتا ہے، اس دروازہ سے جو اصل پیغام ہے وہ داخل کر دینا چاہیے۔ لیکن وہ پیغام اس سبک روحی کے ساتھ داخل ہو کہ وہ دروازے بند نہ ہو جائیں اور احتجاجاً بند نہ ہو جائیں۔ میں تو حیران رہ جاتا ہوں اور افسوس ہے کہ یہ پورا حصہ بائبل سے خلاف ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کس کی تصنیف ہے اور قرآن کس کا نازل کیا ہوا ہے۔ ان کو خوب اندازہ تھا کہ کتنی بات کے متحمل ہو سکتے ہیں، اتنی ہی بات انہوں نے کہی۔ مریض چاہتا ہے کہ اس کو اس کے درد کا مداوا جلد مل جائے تو انہوں نے کہا: قبل ان یاتیکما طعام ترزقانہ تمہارا راشن جو مقرر ہے اس کے آنے سے پہلے تعبیر دے دوں گا۔ مخاطب کو یہی دو اطمینان چاہئیں، اس کو دوا مل سکتی ہے یا نہیں، اور جلد ملتی ہے یا نہیں؟ اس درمیان میں توحید کا وعظ کہہ دیا۔

مطالعۂ قرآن مجید سے
علمی زندگی کا آغاز،

میں اپنا کچھ تھوڑا سا تعارف کرانا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں قرآن شریف کا ایک حقیر اور ادنیٰ طالب علم ہوں۔ میری علمی زندگی کا آغاز قرآن مجید ہی کے مطالعہ سے شروع ہوئی۔ میں نے کئی جگہ لکھا ہے کہ مجھے اللہ نے ایک ایسا استاد عطا کیا جس کو ذوق ایمانی اور ذوق قرآنی ملا تھا۔ وہ قرآن پڑھتے تھے اور روتے تھے۔ پہلا نقش جو مجھ پر پڑا وہ ان کی آواز کا جو درد میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یہ میری خوش نصیبی تھی اور قرآن مجید کا اصل مزاج بھی یہی ہے۔

قرآن مجید کا مزاج صدیقی ہے

قرآن مجید کا مزاج

صدیقی ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ نماز پڑھاؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلے پر کھڑے ہو جاؤ، تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ ابوبکرؓ کو اس سے معاف کیا جائے کہ وہ "رجل بکاء" ہیں، جب وہ قرآن شریف پڑھتے ہیں تو پڑھ نہیں سکتے، ان پر گریہ غالب ہو جاتا ہے اور لوگ سن نہیں سکتے ہیں۔ اور یہی شکایت کی تھی مشرکین قریش نے جب حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کی اجازت دی گئی اور انہوں نے اپنے گھر کے سامنے ایک مسجد بنائی، جب تک وہ سری نماز پڑھتے رہے تو لوگ وہاں جمع نہیں ہوئے، لیکن جب وہ قرأت کرنے لگے اور مرد و عورتیں اور بچے وہاں جمع ہونے لگے، پھر وہ رقت کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے لگے تو پتھر بھی موم ہونے لگے تھے اور دلوں پر ایسا اثر ہونے لگا کہ قریش کو یہ فکر پڑ گئی کہ کہیں مکہ معظمہ کی زندگی میں تہلکہ نہ مچ جائے اور زمام کار ان کے ہاتھوں سے نہ نکل جائے۔ اصل میں قرآن کا مزاج ہی یہی ہے کہ درد کے ساتھ ایمانی حلاوت کے ساتھ پڑھا جائے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

الایمان یمان والفقہ یمانیہ
والحکمۃ یمانیۃ

یہ میری خوش نصیبی کہ پہلا معلّم جو مجھے عطا کیا گیا وہ رقیق القلب تھا، دل درد مند رکھتا تھا اور ہم لوگوں کو حسرت رہتی تھی کہ وہ دیر تک قرآن شریف پڑھیں اور ہم سنیں۔ یہ وہ ہمارے محلے کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھاتے تھے۔ شاذ و نادر کبھی ایسی نوبت آتی تھی کہ وہ پوری سورہ پڑھ سکیں، پڑھنا شروع کیا اور گریہ طاری ہوا، آواز بھرا گئی۔ ان کا روزانہ کا یہی معمول تھا۔ انہوں نے مجھے قرآن مجید کی کچھ سورتیں پڑھائیں۔ توحید کی سورتیں خاص طور پر انہوں نے مجھے پڑھانا شروع کیں۔ سورہ زمر سے شروع کیا، پھر وہ وقت آیا کہ زبان و ادب کی تعلیم غالب

آگئی اور اسی میں مشغول ہو گیا لیکن قرآن مجید کا جو ذوق تھا وہ وقتاً فوقتاً سامنے آتا تھا اور اثر کرتا تھا۔

اس کے بعد جب میری تعلیم ختم ہوئی تو قرآن مجید کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ مدارس کے نصاب میں جو کتابیں پڑھی جاتی ہیں ان سے زیادہ پڑھیں۔ پھر یہاں لاہور آکر مولانا احمد علیؒ سے قرآن مجید پورا پڑھا۔ یہاں بھی جس چیز نے متاثر کیا وہ ان کی قرآنی زندگی تھی جس کو قرآن ناطق کہا جاتا ہے۔ اس سے قلب میں جلا محسوس ہوتی تھی۔ مولانا کی زاہدانہ زندگی، درویشانہ معاشرت اور عمل بالسنت کا مجھ پر وہ اثر پڑا جس کو "برکت" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ دارالعلوم دیوبند میں بھی کام میں نے مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے وقت مانگا کہ خاص خاص آیات جن میں مجھے اشکال محسوس ہوتا ہے جو عام تفسیروں سے حل نہیں ہوتیں وہ میں آپ کے سامنے پیش کرونگا۔ مولانا مدنیؒ اپنے زمانے کے بلند ترین علماء میں تھے اور علوم وفنون اور حدیث کے علاوہ (جس کے وہ مانے ہوئے استاد اور شیخ تھے) ان کو قرآن مجید کا خاص ذوق تھا۔ اس کا رنگ ان کی زندگی اور مزاج پر چھا گیا تھا۔ انہوں نے مجھے جمعہ کا دن دیا۔ مجھے یاد ہے کہ ان آیات کو منتخب کر لیتا تھا جو حل نہیں ہوتی تھیں۔ مولانا کثرت سے سفر کرتے تھے اور وہ تحریک کا زمانہ تھا لیکن مجھے پھر بھی استفادہ کا کچھ موقع ملا۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ

اور علوم قرآن:

اس کے علاوہ مجھے مولانا سید سلیمان ندویؒ سے قرآن مجید کی بعض آیات کی تفسیر اور بعض آیتوں پر ان کی تقریر سننے کا موقع ملا اور میرا تاثر یہ ہے کہ میں نے قرآن مجید کے بارے میں کسی کا فہم اتنا عمیق نہیں پایا جتنا کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ کا۔ یہ ایک تاریخی انکشاف ہے، لوگ سید صاحب کو مورخ اور سوانح نگار کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ متکلم کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن میرے نزدیک فہم قرآن میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ مجھے ہندوستان ہی نہیں بلکہ برّاعظم میں بھی کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس کا مطالعۂ قرآن اتنا وسیع اور عمیق تھا پھر مولانا حمیدالدین فراہیؒ (جو اس فن کے گویا امام تھے) کی صحبت میں رہ کر انہوں نے ان کی گفتگو، ان کی تحقیقات اور ان کے مطالعۂ قرآن سے پورا استفادہ کیا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار ہم لوگ دارالمصنفین گئے ہوئے تھے تو انہوں نے سورۂ جمعہ پر تقریر کی۔ میں نے ایسی عالمانہ، ایسی محققانہ اور ایسی نکات سے بھری ہوئی تقریر ابھی تک نہیں سنی تھی، کاش کہ وہ محفوظ ہو جاتی، تو مجھے سید صاحب سے مختصراً استفادہ کا موقع ملا۔ پھر جب دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بحیثیت استاد میرا انتخاب ہوا تو خاص طور سے قرآن مجید کا درس میرے سپرد ہوا۔ وہاں قرآن کے درس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو متن قرآن پڑھایا جاتا ہے اور یہ سلسلہ غالباً دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی سے شروع ہوا۔ پھر اور مدارس میں اس کی تقلید کی جانے لگی اور یہی صحیح طریقہ ہے کہ ابتدا میں متن کو سامنے رکھ کر پڑھایا جائے بغیر کسی تفسیر کی مداخلت کے استاد تیار ہو کر آئے اور اپنا مطالعۂ قرآن پیش کرے، تو مجھے کئی سال تک قرآن مجید کی خدمت کا موقع ملا۔ تفسیر بھی پڑھائی لیکن زیادہ متن قرآن پڑھایا۔ جو مضامین میرے سپرد ہوئے تھے، ان میں سب سے زیادہ اہم تفسیر والا مضمون تھا۔

میں نے اپنا تعارف اس لئے کرا دیا کہ آپ یہ سمجھیں کہ میں قرآن مجید کا ادنیٰ طالب علم ہوں اس کے بعد جو کچھ بھی اللہ نے توفیق دی اس میں قرآن مجید کا سب سے بڑا حصہ ہے کہ

"آنچہ کردم ہمہ از دولت قرآں کردم"

جن لوگوں نے میری ناچیز تحریریں اور تصنیفات دیکھی ہیں ان کو اندازہ ہوگا کہ میری تحریروں کا تانا بانا قرآن مجید ہی سے تیار ہوتا ہے۔ میں نے سب سے زیادہ قرآن سے مدد لی ہے اور پھر تاریخ سے اور میں تاریخ کو قرآن مجید کی تفسیر سمجھتا ہوں۔

اجتباء خاص، ہدایت عام:

اسوقت جو آیت پڑھی گئی، اس آیت میں دو چیزیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک مقام اجتباء اور دوسرے ہدایت۔ اجتباء کے لئے اللہ تعالیٰ نے صاف صاف کہدیا ہے

"اللہ یجتبی من رسلہ
من یشآء"

سارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس کو چاہے وہ اجتباء سے سرفراز کرے اور اس کو قبولیت و اجتباء کا درجہ عطا کرے لیکن ہدایت کی سب انسانوں کو ضرورت ہے۔

"یھدی الیہ من ینیب"

وہ ان کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں، ہدایت کے طالب ہوتے ہیں، اور جن میں انابت کی، تواضع کی اور بندگی کی اور اپنے کو کچھ نہ سمجھنے کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان کو راستہ پر لگا دیتا ہے اور آخر تک پہنچا دیتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں انابت کی صفت پائی جائے۔

"یھدی الیہ من ینیب"

میں اسی ٹکڑے پر عرض کرنا چاہتا ہوں — قرآن مجید کے دو پہلو ہیں۔ ایک اسکا تعلیمی اور تبلیغی پہلو ہے یعنی وہ عقائد جن پر ہر شخص کو ایمان لانا چاہیے، اور سمجھنا چاہیے اور قرآن سے اخذ کرنا چاہیے۔ اس کے متعلق تو قرآن مجید کا اعلان ہے کہ:

"بلسان عربی مبین"

(روشن اور واضح عربی میں ہے)

اس سے زیادہ واضح الفاظ میں بتا دیا:

"ولقد یسرنا القرآن للذکر
فھل من مدکر" ہم نے
قرآن کو نصیحت حاصل
کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے
کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا ہے؟"

قرآن مجید پڑھ کر انسان مشرک نہیں ہوسکتا:

کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ خدا اس سے کیا چاہتا ہے اور اس کی ہدایت کے لئے کیا شرائط ہیں اور توحید و رسالت اور معاد کا قرآنی تصور کیا ہے؟ قرآنی عقیدہ کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے کہ دنیا میں ہدایت اور آخرت میں نجات مل سکے؟ اس کے لئے قرآن مجید آسان ہے اور کسی کو یہ کہنے کا عذر نہیں کہ ہم قرآن مجید سے ان باتوں کو سمجھ سکے اور قرآن ہمارے لئے حجت نہیں۔ توحید کے بارے میں واضح سے واضح، صریح سے صریح، طاقتور سے طاقتور، دوٹوک بات جو کہی جاسکتی ہے قرآن مجید میں موجود ہے۔ قرآن مجید پڑھ کر آدمی سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن مشرک نہیں ہوسکتا۔ میں یہ علی الاعلان کہتا ہوں کہ وہ ٹھوکریں کھاسکتا ہے، بے عمل ہوسکتا ہے، وہ فسق کی راہ اختیار کرسکتا ہے، لیکن جہاں تک توحید و شرک کا تعلق ہے تو قرآن مجید بالکل سورج کی طرح روشن اور سورج کیا چیز ہے۔ اس میں کسی قسم کے اشتباہ کی گنجائش نہیں۔ اور جہاں تک رسالت کے عقیدے کا تعلق ہے کہ نبوت کیا چیز ہے؟ انبیاء کیا ہیں؟ ان کے ذمہ کون سی چیز سپرد کی گئی؟ ان کو کیا حکم ہوتا ہے؟ وہ کیا تعلیم دیتے ہیں؟ ان کی سیرت کیسی ہے؟ ان کی زندگی کیسی پاکبازانہ اور بلند ہوتی ہے؟ یہ قرآن مجید میں صاف طور سے بیان کردیا گیا ہے، وہ اپنا تعارف بھی کراتے ہیں، وہ شبہوں کو بھی دور کرتے ہیں۔ آپ سورۂ اعراف پڑھیے، سورۂ ہود پڑھیے سورۂ شعراء پڑھیے اس میں ایک ایک نبی کا نام لے کر تعارف کرایا گیا اور ثبوت دیا گیا ہے۔

عقل جج نہیں بلکہ وکیل ہے:

جہاں تک رسالت و انبیاء کا تعلق ہے اس کے بارے میں بھی قرآن مجید میں کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں لیکن اگر کوئی آدمی گمراہی کا ارادہ ہی کرلے تو گنجائش تو ہر چیز کی ہے۔ آپ ہی میں سے کوئی صاحب جنکو اللہ تعالیٰ نے ذہانت عطا کی ہو کھڑے ہوجائیں اور کہیں کہ میں ثابت کرسکتا ہوں کہ اسوقت دن ہے، سورج روشن ہے اور ہمیں دھوپ کی تمازت محسوس ہورہی ہے تو یہ ہوسکتا ہے کہ وہ ہم سب کو لاجواب کردیں۔ اس کا تو زبان اور ذہانت سے تعلق ہے۔ مقدموں میں عدالتوں میں کیا ہوتا ہے؟ دن کو رات اور رات کو دن ثابت کردیا جاتا ہے۔ ہمارے استاد مولانا عبدالباری صاحب ندوی فرمایا کرتے تھے کہ عقل جج نہیں بلکہ وکیل ہے۔ اس کو فیس ملنی چاہیئے تو پھر یہ ہر مقدمہ کو ثابت کرسکتی ہے۔ جب کوئی فلسفہ آیا، عقل نے اس کی صداقت کو اس طرح ثابت کیا کہ وہ بالکل بدیہی حقیقت معلوم ہونے لگی۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی آدمی طے کرلے کہ قرآن مجید سے کوئی بات نکالنا ہے اور اس کی مثال آپ کے سامنے دیتا ہوں۔ میں اسلامک اسٹڈیز کانفرنس کے ایک جلسہ میں شریک تھا۔ وہاں ایک صاحب نے مقالہ پڑھا۔ میں ان کا نام اور جگہ کا نام نہیں لوں گا۔ انہوں نے اپنے مقالے میں ثابت کیا کہ قرآن مجید میں جہاں صلوٰۃ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد علاقائی حکومت ہے اور جہاں الصلوٰۃ الوسطیٰ آیا ہے، اس سے مراد مرکزی حکومت ہے اور ثابت کیا کہ سارے قرآن میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مجھے اسوقت بڑی سختی سے اس کی تردید کرنی پڑی۔

ہدایت کیلئے قرآن آسان ہے:

ہدایت کے لئے قرآن مجید آسان ہے اس میں کہیں کوئی شبہ نہیں لیکن جہاں تک اس کے علوم کا تعلق ہے، اس کے رفیع و دقیق مضامین کا تعلق ہے، اس میں کسی چیز کے متعلق دعوے کے ساتھ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہم جو کچھ سمجھتے ہیں اس کے علاوہ سب غلط ہے۔ قرآن کے بارے میں سب سے الگ، منفرد و شاذ رائے قائم کرنا بڑی خطرہ کی بات ہے۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق کا قول ہے:

"ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی اذا قلت فی کتاب اللہ مالا اعلم" اے اللہ! کس آسمان کے نیچے پناہ لوں گا اور کس زمین میں چلوں گا اگر میں کتاب اللہ کی آیت کے متعلق کوئی ایسی بات کہدوں جس کی کوئی بنیاد کوئی تحقیق نہیں"۔

اور قرآن کریم کے بارے میں صحابہ کرام کا یہ عام رویہ تھا۔ حضرت عمرؓ خود کسی کے لفظ کے بارے میں فرماتے کہ اس کے کیا معنی؟ اور پھر خود ہی کہدیتے کہ "ثکلتك امك یا عمر" عمرؓ تیری ماں تجھ پر روئے، اگر تجھ اس ایک لفظ کے معنی نہیں معلوم تو کیا غضب ہوا"۔

صحابہ کرامؓ کا انداز فکر بتاتا ہے کہ پورے قرآن پر حاوی ہونے کو وہ نہ تو ممکن سمجھتے تھے اور نہ ضروری۔ میری یہ جرأت معاف کی جائے اور وہ یہ کہ قرآن کی جو اصل روح، اصل مدعا اور اصل مقصد ہے وہ حاصل ہونا چاہیئے اور اس کے ساتھ معاملہ ہونا چاہیئے ادب و خشوع کا۔ ہمیں بہت سی چیزوں کی حقیقتیں معلوم نہ ہونے کے باوجود ان سے پورا پورا فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر کسی شخص کو قرآن مجید کے حقائق و مطالب معلوم نہیں یہاں تک کہ پورے الفاظ کے معنی بھی معلوم نہیں، لیکن اس کے دل میں خدا کا خوف ہے، خشیت ہے۔ جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو یہ حالت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی:

لو انزلنا هذا القرآن علی جبل
لرایته خاشعا متصدعا
من خشیة اللہ "

اس کا یہ حال ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں وہ لرز جاتا ہے، اور اس کا رواں رواں لرز جاتا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ یہ میرے رب کا کلام ہے، تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہدایت کے آخری مدارج تک پہنچ جائے اور اس کو قرب بالقرآن حاصل ہو۔ حدیث میں آتا ہے:

"کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے
کہ قرآن مجید پڑھیں گے
اور بہت تکلف سے پڑھیں
گے مگر ان کے حلق سے
نیچے نہیں اُترے گا۔"

تو جہاں تک مضامین کا تعلق ہے میں ایک طالب علم کی حیثیت سے عرض کرتا ہوں کہ وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اور بڑے سے بڑا آدمی اس کی وسعت کے سامنے لرزہ براندام رہتا تھا اور سمجھتا تھا کہ اللہ کی ہدایت اور توفیق کے بغیر وہ ایک قدم نہیں چل سکتا۔

افادہ اللہ کی طرف سے:

پہلی بات تو یہ سمجھئے کہ افادہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور یہ افادہ ہوتا ہے ان قلوب پر جو اللہ کی خشیت سے اور کلام ربانی کی ہیبت سے اور اس کے جلال سے معمور رہتے ہیں، ان پر اللہ کی طرف سے علوم کا ورود ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ قرآن مجید کو نوافل میں پڑھے اور یہ تصور کرے کہ جیسے قلب پر اسی وقت نزول ہو رہا ہے اور اس کا لطف لے اور اس میں گم ہو جانے کی کوشش کرے۔ قرآن مجید دماغی زور آزمائی کی چیز نہیں ہے کہ اپنا پسندیدہ مطلب قرآن مجید سے زور آزمائی کر کے نکالا جائے۔

تیسری بات یہ کہ دوران مطالعہ جو مطلب و معانی سمجھ میں آئیں تو یہ کہے کہ میری ناقص سمجھ میں یہ بات آئی ہے۔ ایسا سمجھ میں آتا ہے اور یہ دعویٰ ہرگز نہ کرے کہ آج تک قرآن کو کسی نے سمجھا نہیں۔ میں نے ہی سمجھا ہے۔ یہ بالکل صحیح نہیں ہے اور میں نے بارہا کہا اور لکھا بھی ہے کہ اگر قرآن مجید اپنے کو تیرہ سو برس میں نہیں سمجھا سکا تو یہ قرآن مجید پر بہت بڑا الزام ہے۔ وہ تو کہتا ہے:

"لسان عربی مبین"
"انا انزلناہ قرآنا عربیا
لعلکم تعقلون"

اور آپ کہتے ہیں کہ ایک ہزار برس تک بارہ سو برس تک قرآن مجید کے فلاں لفظ کی حقیقت آج تک کسی نے سمجھی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کا افادہ اتنے دنوں تک بند رہا۔ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے ایک سیمینار میں اس کی افتتاحی تقریر میں میں نے کہا تھا کہ اہل علم اپنی کسی تحقیق کو یہ کہہ کر پیش کرتے ہیں کہ ہمیں مطالعے کا جتنا موقع ملا اس کے نتیجے میں ہمارا خیال یہ ہے ......
میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں .... لیکن یہ طریقہ کہ کوئی شخص اپنے نتائج فکر کو سو فیصد صحیح ثابت کرنے پر اصرار کرے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے سب کو غلط قرار دے صحیح نہیں۔ قرآن مجید کے سلسلے میں آتا ہے کہ اس کا نیا پن، تازگی پرانی نہیں ہوگی اور اس کے عجائب کی کوئی انتہا نہیں تو اگر آپ کو عمر نوح بھی ملے اور وہ قرآن مجید کے تدبر میں صرف ہو تو ہر روز نئے نئے معانی کھلنے لگیں۔ ہماری عمر کا یہ محدود وقت، محدود قوت اور صلاحیت اور اس کے بعد ہمارا یہ دعوے کہ قرآن مجید اب تک سمجھا ہی نہیں گیا، یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

میری ذاتی کتاب:

آخری بات یہ ہے کہ قرآن مجید کو اپنی کتاب سمجھا جائے۔ یہ کتاب ہدایت ہے۔ یہ کتاب ابدی ہے، کتاب آسمانی ہے لیکن میری ذاتی کتاب بھی ہے، میرا ذاتی ہدایت نامہ بھی ہے، اس میں میری ذاتی کمزوریاں بیان کی گئی ہیں۔ میرے ذاتی امراض کی نشاندہی کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ہر آدمی اپنے کو تلاش کر سکتا ہے۔ یہ جب ہوگا جب کہ آپ اس کو زندہ کتاب سمجھیں یا اپنی کتاب سمجھیں، اور آپ میں اپنی اصلاح کا جذبہ ہو، لوگوں کی اصلاح تو بعد میں ہوگی، پہلے اپنی اصلاح ہو جائے۔

انبیاء کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے میری ہدایت ہو جائے۔ پھر میں دوسروں سے کچھ کہوں۔ ہم میں سے بہت سے لوگ قرآن مجید کو اس لئے پڑھتے ہیں کہ یہ حجت بنے۔ دوسروں کو شرمندہ کیا جائے، دوسروں پر حجت قائم کی جائے، حالانکہ صحابہ کرامؓ قرآن پڑھتے تھے اپنی اصلاح کے لئے۔ ایک آیت پڑھی اس پر عمل کرنا شروع کیا۔ سورۂ بقرہ بعض اوقات مہینوں میں ختم ہوئی۔

یہ چند باتیں ایک طالب علم کی حیثیت سے میرے ذہن میں تھیں۔ وہ سب میں نے آپ کے سامنے رکھ دیں:

"یھدی الیہ من ینیب" کے میدان میں جہاں تک ہم کوشش کر سکتے ہیں، کریں۔ اللہ جس کو چاہے مقام اجتبا تک پہنچائے، ہم اس کے مکلف نہیں ہیں۔ ہم سیکھنا چاہیں، ہم ہدایت حاصل کرنا چاہیں ہم بننا چاہیں اور اپنی زندگی میں انقلاب لانا چاہیں تو قرآن مجید موجود ہے جو ہماری رہنمائی بھی کرے گا اور منزل مقصود پر بھی پہنچائے گا۔ ہم میں ہدایت کی طلب، اپنی احتیاج کا احساس اور اپنی بے بضاعتی کا اعتراف ہونا چاہیئے۔ اسی کے مجموعے کا نام انابت ہے۔ میں دعا کرتا ہوں۔ آپ بھی دعا کریں۔

اھدنا الصراط المستقیم
صراط الذین انعمت
علیھم غیر المغضوب
علیھم ولا الضالین۔

(آمین)

ہم سوویت روس

کو چیکوسلواکیہ کی تاریخ دہرانے کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے

پُرسکون صبح اور ٹھنڈی ٹھنڈی چلتی ہوئی ہوا گرم موسم میں علاقے کو ٹھنڈک پہنچا رہی تھی۔ ہر شخص سویرے سویرے کام کاج کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ مدارس کے طلباء ملیشیا کی شلواریں اور قمیصیں زیب تن کئے تیز تیز قدموں سے پڑھنے جا رہے ہیں۔ کچھ پسماندہ مزدور قسم کے تیسرے درجے کے لوگ چہروں پر پژمردگی لئے تلاش معاش کے لئے ہر چہار اطراف نظریں دوڑا رہے ہیں۔ شہر کے قریب ہی ہوائی مستقر ہے جہاں صاف ستھرے اور قیمتی کپڑوں میں بیشتر لوگ آسمان کی طرف نظریں کئے ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ شاید کسی کا استقبال کرنے آئے ہیں۔

نہیں ایسی بات نہیں وہ خود اپنی اپنی منزل پر پہنچنے کے لئے اس ہوائی جہاز کے اترنے کا انتظار کر رہے ہیں۔

جوں جوں سورج چڑھتا جا رہا ہے بازاروں میں گہما گہمی بڑھتی جا رہی ہے۔ اکثر لوگوں کی زبان سمجھ سے باہر ہے۔ غیر ملکی اشاروں کنایوں میں اپنا مقصد بیان کر رہے ہیں۔ شہر کے ایک طرف چند کیبن (ڈبہ نما کھڑکی) بنے ہوئے ہیں جہاں کھلم کھلا غیر ملکی کرنسیوں کا لین دین ہو رہا ہے۔ کچھ لوگ غالباً خوفزدہ دکھائی دے رہے ہیں۔ کرنسی تبدیل کراتے وقت بار بار چوک میں کھڑے ہوئے پرانی اور پھٹی ہوئی وردی میں ملبوس سپاہی کو دیکھتے جا رہے ہیں شاید اس خوف سے کہ کہیں غیر قانونی طور پر کرنسی تبدیل کرانے کے جرم میں دھر نہ لئے جائیں۔ شہر کی کچی سڑکوں پر پھل فروٹ اور خشک میوہ جات کی لاتعداد دکانیں ہیں۔ پھل اور خشک میوہ دوسرے ملکوں کی نسبت سستا اور اچھے درجے کا ہے۔ بڑی کھلی سڑک پر سو کے لگ بھگ ٹرک کھڑے ہیں اس میں انگور لدا ہوا ہے۔ یہ ٹرک پاکستان کے راستے بھارت جائیں گے۔

یہاں کی معیشت کا دارومدار صرف پھلوں کی برآمد پر ہے۔ چہار اطراف پہاڑ کی وجہ سے گرمیوں میں بھی موسم میں خنکی رہتی ہے بوڑھے لوگ ننھے منے بچوں کو گودوں میں لئے گھروں کے باہر دھوپ تاپ رہے ہیں۔

دفتروں میں روزانہ کی طرح باقاعدہ کام ہو رہا ہے۔ ریڈیو بدستور مقامی زبان میں پروگرام نشر کر رہا ہے۔

یکایک ریڈیو کی نشریات بند ہو جاتی ہیں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فنی خرابی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ ریڈیو بند ہونے پر کوئی غور نہیں کرتا، اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ چند ثانیے بعد کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی گھڑگھڑاہٹ محسوس ہوتی ہے۔ زمین ہلنے لگتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے زلزلہ آیا ہو خوفناک زلزلہ! بچے، بوڑھے اور عورتیں بھاگم بھاگ گھروں میں پناہ لیتے ہیں۔ ننھے بچے چیخ مار کر ماؤں کی چھاتی سے چمٹ جاتے ہیں۔ دکانداروں نے دکانیں بند کر دیں۔ چھابڑی والے چھابے اٹھائے تیز تیز قدموں سے چل رہے ہیں۔ ریڈیو ابھی تک خاموش ہے گھڑگھڑاہٹ تیز ہو جاتی ہے۔ دُور سے گرد و غبار اڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ کچھ دیر بعد جب گرد و غبار چھٹتا ہے تو ہلکے سے دھندلکے میں نہ معلوم دیوہیکل چیز سایے کی مانند شہر کی طرف بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے دھندلکا ختم ہو گیا۔ اب وہ چیز صاف نظر آ رہی ہے۔ کچھ باہمت لوگ عام لوگوں کو گھڑگھڑاہٹ اور دیوہیکل چیز کے بارے میں بتانے کے لئے چیخ رہے ہیں۔

"ٹینک آ گئے" "ٹینک آ گئے"۔

گھر میں چھپے ہوئے بوڑھے نے جب سنا تو اپنے سانس درست کرتا ہوا باہر نکلا اور یکدم اسی طرح گھر میں داخل ہو گیا۔ اپنے پوتوں اندر گھر میں محفوظ جگہ لے گیا اور اپنے بیٹے گل محمد کی سلامتی کی دعائیں مانگنے لگا۔ شہر میں بارونق سڑک کے ایک طرف دھواں اور آگ کے شعلے نظر آ رہے تھے۔

بوڑھے کی بہو نے کہا: "بابا! باہر کیا ہو رہا ہے؟"

بوڑھے نے ہکلاتے ہوئے کہا! کچھ نہیں! خدا کرے گل محمد خیریت سے ہو۔

بہو نے خبر سے اپنے شوہر کے بارے میں سُنا تو بوڑھے کو جھنجوڑتے ہوئے پھر پوچھا "بابا! کیا ہوا گل محمد کو؟"

بوڑھا بدستور خاموش رہا۔ بہو نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔

شہر میں دھوئیں اور آگ میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ گولوں کے پھٹنے اور بڑی بڑی عمارتوں کے زمین بوس ہونے کا شور بدستور بڑھتا جا رہا ہے۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی۔ اسی شور میں آسمان سے بھی آگ برسنے لگی۔ پلک جھپکتے ہی جنگی ہوائی جہازوں کی قطار سروں پر سے گذر گئی۔

بڑی سڑکوں کے کنارے رہنے والوں نے اپنے دروازوں کی درزوں سے مخصوص لباس میں سینکڑوں آدمیوں کو دیکھا جن کے ہاتھوں میں جنگی ہتھیار کبھی کبھی آگ اگلتے تھے جو چند اونچی اونچی عمارتوں کو ملیا میٹ کر دیتی تھی۔

ایک گھر میں نوجوان نے باہر نکلنے کی کوشش کی تو اس کے بوڑھے چچا نے کندھے پر ہاتھ مار کر اسے بٹھا دیا اور کہنے لگا: "باہر کیا دیکھوگے!"

نوجوان نے کہا: میں شاہ کے بارے میں معلوم کروں گا کہ وہ خیریت سے ہیں۔"

"اپنی فکر کر جوان!" بوڑھے نے کہا "شاہ یہاں نہیں ہے وہ روم میں ہے۔"

ریڈیو اچانک بول پڑا اور سب سے پہلا یہ اعلان ہوا کہ

"شاہ افغانستان ظاہر شاہ کا تختہ الٹ دیا گیا ہے۔"

اور ساتھ ہی اقتدار پر چور دروازے سے قابض ہونے والا کا نام بھی نشر کر دیا گیا:

"سردار داؤد"

سردار داؤد کا نام سُن کر سب دم بخود رہ گئے کہ اتنا قریبی رشتہ دار ایسا کر سکتا ہے۔ کیا ایک مقدس رشتہ جو ایک عورت کی وجہ سے قائم ہے اقتدار کے لئے پامال کیا جا سکتا ہے؟

چند روز تک لوگوں پر خوف مسلط رہا۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ واقعہ بھی قصۂ پارینہ بن گیا۔ ڈیڑھ برس کا قلیل عرصہ گزرا تو پھر وہی صورتحال پیدا ہو گئی۔ امن و سکون برباد ہوتا نظر آنے لگا، اور اب کی بار لوگ اپنے بیٹوں اور پوتوں کو نہیں تلاش کر رہے تھے بلکہ ہزاروں دُعاؤں کے ساتھ انہیں سرخ امریت سے جہاد کرنے کے لیے بھیج رہے تھے۔

سرخ بیج والے ایک دم تیار فوجی شہر کے گلی کوچوں میں نظر آنے لگے۔ وہ فوجی جو پبلک کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھے انکے صحت مند جسم پر سرخ بیجوں سے مزین وردی اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ یہ ملکی نہیں ہیں۔

بوڑھوں اور نوجوانوں نے مل کر کہا:

"یہ سراسر مداخلت ہوئی ہے!"

ریڈیو نے اعلان کیا کہ:

"سردار داؤد معزول کر دیئے گئے ہیں۔"

لوگ سراسیمہ سے ہو گئے۔ گہری سوچ میں پڑ گئے "کیا ہمارے ملک میں یونہی ناحق خون بہتا رہے گا۔ یونہی غیر ملکی مداخلت ہوتی رہے گی۔ کیا آزادی ہمیں راس نہیں آئے گی؟

بوڑھوں کے کانپتے ہونٹ دعا کرنے لگے۔

"یا اللہ! خیر کر! یہ غریب ملک ہے، یہاں استحکام پیدا کر!! ہمارے حکمرانوں میں سمجھ بوجھ پیدا کر!!! یا اللہ کرم کر، یا اللہ کرم کر، ہماری حفاظت فرما!!!!

نیا انقلاب آیا، بانی نور محمد ترہ کئی قرار دیئے گئے۔

نور محمد ترہ کئی نے اعلان کیا: "ہم ترقی پسند ہیں۔ ملک میں معیشت کو مستحکم کریں گے، روٹی، کپڑا اور مکان مہیا کریں گے۔"

عوام نے قطعاً خوشگوار موڈ کا اظہار نہیں کیا۔ نور محمد ترہ کئی کو دس ہزار افراد کا خون بہانے کے باوجود نفرت ملی — سینکڑوں ماؤں کی گود اجڑی، سہاگ اجڑے بھائی بچھڑے۔ نام نہاد انقلابیوں نے مذہب کو خیر آباد کہہ کر سرخ پرچم اور سفید چہروں کو خوش آمدید کہا۔ حکومت کے بڑے شعبوں میں بطور مشیر انہیں مسلط کر لیا۔ رفتہ رفتہ سرخ پرچم اور سرخ بیج والے حکومت کے انتظام و انصرام پر قابض ہو گئے۔ من مانی کرنے لگے۔

کٹھ پتلی حاکم کو یہ بات ناگوار گزری کہ میرے پاس معمولی اختیارات بھی نہیں رہنے دیئے۔ یہ ناگواری اس کٹھ پتلی حاکم کے سرخ آقاؤں کے نزدیک سرکشی کے مترادف تھی۔ ان آقاؤں نے آناً فاناً حاکم وقت کے ماتحت حفیظ اللہ امین کو اقتدار پر بٹھا دیا، گویا ایک کٹھ پتلی گئی دوسری آگئی۔ سابق حاکم کے رشتہ داروں، بچوں، حمایتوں کو برسرِ عام بیدردی سے بھون دیا گیا۔

قدرت کے قانون میں عمل کا ردِ عمل فوری ہوتا ہے وہ ہو گیا۔

نئے حاکم حفیظ اللہ امین نے سرخ سامراج کی حمایت و طاقت سے برسرِ اقتدار آنے والے پہلے حاکم کو سامراجی ایجنٹ قرار دیا اور کہا کہ ہم عوام کے حقوق بحال کریں گے، مگر وہ یہ بھول گیا کہ راسخ العقیدہ مسلمان بھی دہریت و ظلم کے خلاف برسرِ پیکار ہیں جو سخت سردی اور برفباری میں ظلم کا مردانہ وار مقابلہ کر رہے ہیں۔ جو حق چاہتے ہیں حق پر ہیں اور حق کی سربلندی کے لئے اپنی گردنیں بے دریغ کٹوا رہے ہیں۔

چار لاکھ افراد کے خاندان اپنا وطن چھوڑ چکے ہیں اور مزید چھوڑنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

نہتے لوگ ٹینکوں اور جدید اسلحہ کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ حفیظ اللہ امین یہ بھی بھول گیا کہ ترہ کئی اور داؤد کا کیا حشر ہوا اور سرخ سامراج کو حکم عدولی کا شائبہ بھی پڑے تو وہ زندہ روحوں کو مردہ کر دیتا ہے۔ اقتدار کی ہوس میں پتہ نہیں کیا کیا بھول گیا اور جو جو وہ بھول چکا تھا وہ سب کچھ اس وقت یاد آیا جب حفیظ اللہ امین کے سینے کو (باقی صفحہ ۱۷ پر)

ظہور دین بٹ

انور پاشا اور جمال پاشا کی تحریریں

مدینہ منورہ میں مختصر قیام کے بعد انور پاشا اور جمال پاشا دمشق (شام) چلے گئے۔ دو تین دنوں کے بعد ترکی عربی اور فارسی میں مرتب شدہ دونوں وزیروں کے دستخطوں سے مزین تحریریں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کو بذریعہ گورنر مدینہ منورہ پہنچا دی گئیں۔ تینوں خطوط کا مضمون ایک ہی تھا۔

ان خطوط میں ہندوستان کے مطالبۂ آزادی کی قدر کرتے ہوئے مطالبہ سے ہمدردی ظاہر کی گئی تھی اور اس سلسلہ میں امداد و اعانت کا وعدہ کیا گیا تھا۔ نیز ترکی کے شہریوں اور عوام سے کہا گیا تھا کہ مولانا محمود حسن (شیخ الہندؒ) پر اعتماد کیا جائے اور ان کی اعانت کی جائے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ پر صرف ایک ہی دھن سوار تھی کہ جس قدر جلد ممکن ہو مرکز تحریک "یاغستان" پہنچ جائیں۔ اس کے برعکس ترکی کے امرأ اور سرکاری حکام کی خواہش تھی کہ مولانا ترکی حدود سے باہر نہ جائیں اور یہیں سے تحریک کی نگرانی کریں۔ ان حالات میں انہوں نے فیصلہ کیا کہ اپنے ساتھیوں کو ان خطوط سمیت ہندوستان روانہ کر دیں اور خود مکہ مکرمہ میں قیام فرمائیں۔

خطوط کو بحفاظت ہندوستان پہنچانے کے لئے ان تحریروں کے متعدد فوٹو لئے گئے تاکہ وہ تمام مراکز پر پہنچائے جا سکیں۔ ان خطوط کا انگریزی عملداری میں لے جانا چونکہ انتہائی مشکل کام تھا اور چیکنگ متوقع تھی اس لئے ان خطوط کو بحفاظت پہنچانے کے لئے ایک خاص قسم کا صندوق بنایا گیا تھا۔ صندوق جو جادی لکڑی کا بنایا گیا تھا اس کے تختوں میں ان تحریروں کے لئے جگہ بنا کر اس مہارت سے جوڑ دیا گیا تھا کہ شبہ تک کی گنجائش نہ تھی۔ صندوق میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے کپڑے اور کچھ نئے ریشمی تھان بچوں اور خواتین کے لئے رکھ دیئے گئے تھے۔

طے پایا کہ مولانا خلیل احمدؒ مولانا ہادی حسن رئیس خانجہاں پور ضلع مظفر نگر اور حاجی شاہ بخش سندھی اور ان کے رفقاء کو بحری جہاز کے ذریعے ہندوستان کے لئے سوار کرا دیا جائے۔

پروگرام کے مطابق تحریروں والا صندوق ان حضرات کے حوالے کر دیا گیا اور طے پایا کہ ہندوستان پہنچ کر یہ خطوط حاجی نور الحسن رئیس موضع رتھیڑی ضلع مظفر نگر کو پہنچا دیئے جائیں۔ وہ یہ خطوط دہلی میں احمد مرزا فوٹو گرافر کو پہنچائیں تاکہ ان کی مزید کاپیاں اور نقول بنوا کر طے شدہ مراکز پر پہنچائی جا سکیں۔

مولانا محمود حسنؒ طائف سے مکہ مکرمہ پہنچے تو انہیں پتہ چلا کہ ان کے رفقاء جہاز کی آمد کی اطلاع پا کر جدہ جا چکے ہیں۔ آپ نے انہیں رخصت کرنا ضروری سمجھا اس لئے آپ بھی جدہ پہنچ گئے۔

جہاز کے بمبئی پہنچنے سے پہلے ہی سی۔ آئی۔ ڈی کا عملہ اور مولانا محمود حسنؒ کے مخلصین بندرگاہ پر پہنچے ہوئے تھے کیونکہ سب کا خیال تھا شیخ الہندؒ اس جہاز سے ہندوستان پہنچیں گے۔ اس مجمع میں ایک صاحب نے جو شیخ الہندؒ کے مخلصین میں سے تھے مولانا ہادی حسن تک پہنچ کر ان سے کہا "اگر کوئی شے محفوظ رکھنا ہے تو فوراً مجھے دے دیں، میں اسے یہاں سے نکال لے جاؤں گا۔ جہاں پہنچانا ہو اس کا پتہ دے دیں تاکہ مذکورہ پتے پر پہنچا دی جائے۔"

مولانا ہادی حسن اگرچہ ان سے واقف نہ تھے مگر ان کے مخصوص انداز سے مولانا کو موصوف کی صداقت اور اخلاص کا یقین ہو گیا، اس لئے انہوں نے صندوق ان کے حوالے کر کے ضروری ہدایات فراہم کیں۔

وہ صاحب عام مسافروں کے سامان کے ساتھ شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن کا خصوصی صندوق بھی قلی سے اٹھوا کر لے گئے اور اسٹیشن لے جا کر بذریعہ پارسل چلتا کر دیا۔ اس طرح پولیس اور سی۔ آئی۔ ڈی کو صندوق اور خطوط کی ہوا بھی نہ لگ سکی۔

جہاز کی آمد پر پولیس اور سی۔ آئی۔ ڈی شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی تلاش میں رہے اور جب انہیں پختہ یقین ہو گیا کہ مولانا اس جہاز سے تشریف نہیں لائے بلکہ ان کے چند ساتھی آئے ہیں تب انہوں نے مولانا خلیل احمد اور مولانا ہادی حسن خان کو حراست میں لے لیا۔ تفتیش کے دوران ان سے کچھ برآمد نہ ہوا تو ان حضرات کو نینی تال پہنچا دیا گیا۔ مولانا خلیل احمد اور مولانا ہادی حسن کو دوران تفتیش بہت ڈرایا اور پریشان کیا گیا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ مولانا ہادی حسن خاں بعد ازاں ڈیڑھ ماہ کی حراست کے بعد رہا کر دیئے گئے۔

حاجی شاہ بخش سندھیؒ کے پاس ان انقلابی اخباروں کے پرچے تھے جسے خیری برادران نے برلن سے جاری کیا تھا اور جو اعلانات ترکی سے ترغیب جہاد وغیرہ میں شائع ہوئے تھے ان سب کو حاجی شاہ بخش سندھیؒ نے زنبیل میں حفاظت سے رکھ لیا تھا۔ جب جہاز پر انہوں نے پولیس کی یورش دیکھی تو اسی بھیڑ میں زنبیل ہاتھ میں لٹکائے ہوئے تھے، پھرتی سے نکل گئے۔ چونکہ غیر معروف شخص تھے کسی کو شبہ نہیں ہوا مگر جب وطن پہنچے تو گرفتار کرلیے گئے اور کچھ دن نظر بند رہ کر رہا کردیئے گئے۔

کر اسوقت مولانا محمد نبی ان خطوط کی نقل کر رہے تھے۔ سپاہیوں کی نقل وحرکت دیکھ کر انہوں نے تینوں خطوط کھونٹی پر لٹکی ہوئی ایک صدری کی جیب میں رکھ دیئے۔

صبح دس بجے سے مکان کی تلاشی شروع ہوئی اور شام چار بجے تک جاری رہی۔ چھ گھنٹے کی مسلسل تلاشی کے باوجود پولیس مطلوبہ شے حاصل نہ کرسکی۔ اس دوران گھر کا کونہ کونہ، حتہ حتہ اور ایک ایک جگہ کی تلاشی لی گئی۔ کپڑوں کے صندوق توڑ دیئے گئے بچوں کے کھلونے اور چیزیں برباد کردی گئیں، مگر مردانے میں ٹنگی ہوئی صدری پر کسی کی نظر نہ گئی۔

اس دوران پولیس دوبارہ دوکان پر پہنچ گئی۔ اس نے ساری دوکان کھنگال ڈالی۔ ہر شے ٹٹولی مگر اس طشت پر کسی کی نظر نہ گئی جس میں فوٹو رکھے تھے، غرضیکہ پولیس کو ایک مرتبہ پھر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

خطوط کی تیار شدہ کاپیاں حاجی نورالحسن نے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی ہدایت کے مطابق تمام لوگوں تک پہنچادیں۔ یہ تحریریں نہایت کارآمد ثابت ہوئیں کیونکہ حکومت ترکی اور اس کے حلیف مکمل طور پر مجاہدین کی حمایت وامداد کرتے تھے مگر اچانک حالات تبدیل ہوکر رہ گئے۔ جرمنی اور ترکی کی کامیابی کے بعد جب امریکہ انگریزوں کا حلیف بن گیا اور

چھ گھنٹے کی مسلسل تلاشی کے باوجود پولیس مطلوبہ شے حاصل نہ کرسکی۔

پولیس خطوط کی تلاش میں:

مولانا محمد نبی کو معلوم ہوچکا تھا کہ صندوق کے تختوں میں کوئی شے پوشیدہ ہے۔ چنانچہ صندوق کے پہنچتے ہی اس میں سے کپڑے نکال کر لکڑی کے دوسرے صندوق میں رکھ دیئے گئے اور اس صندوق کو توڑا گیا۔ اندازے کے مطابق صندوق کے ایک تختے کے اندر سے محفوظ شدہ تینوں خطوط برآمد ہوئے۔ ان خطوط کو بلاتاخیر محفوظ کرلیا گیا۔

پولیس مولانا ہادی حسن اور مولانا خلیل احمد کے بیانات سے مطمئن نہ ہوسکی اور اپنے طور پر معلومات کرتی رہی۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد اسے صندوق کے بارے میں پتہ چل پایا۔ کسی شخص نے پولیس کو صندوق کے بارے میں مطلع کردیا تھا اور بتادیا تھا کہ مذکورہ صندوق حضرت ہادی حسن کے مکان پر موجود ہے۔

اطلاع ملتے ہی پولیس نے مولانا ہادی حسن کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔ عجیب اتفاق ہے

اس سرگرم اور شدید تفتیش کے باوجود، پولیس کو چین نہ تھا۔ یہاں سے پولیس موضع انبہیٹہ (ضلع مظفرنگر) پہنچی جہاں مولانا حاجی نورالحسن رہتے تھے اور جن کے لئے شیخ الہندؒ نے کہا تھا کہ وہ ان خطوط کی فوٹو کاپیاں بنوائیں گے، کے گھر پہنچی مگر ناکام ونامراد لوٹی۔

پولیس کو اطلاع ملی کہ بعض تحریریں، جن کی فوٹو کاپیاں حاجی احمد مرزا بنائیں گے، ان کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ اس پر پولیس نے حاجی احمد مرزا کی دوکان پر چھاپہ مارا مگر اسوقت تک مذکورہ خطوط ان تک نہ پہنچے تھے۔ جب پولیس حاجی احمد مرزا کی دوکان میں تحریریں تلاش کر رہی تھی، عین اسی وقت حاجی نورالحسن احمد مرزا کی دوکان کے قریب سے گزرے اور پولیس کو وہاں دیکھ کر واپس چلے آئے۔

حاجی نورالحسن دوبارہ احمد مرزا کی دوکان پر پہنچے۔ تمام خطرات سے بے نیاز مرزا صاحب نے ان خطوط کے فوٹو بنا لیے

مسٹر ولسن کے پُر فریب نکات سامنے آئے تو یکایک حالت بدل گئی اور فتح شکست میں بدل گئی۔

امریکہ کی بے شمار فوج اور لاتعداد ہتھیار اتحادیوں (انگریزوں) کی مدد پر آگئے۔ دوسری جانب شریف حسین نے غدر اور خیانت کرکے انگریزوں کی حمایت میں عربوں اور ترکوں کے درمیان نفرت پھیلائی اور ترکوں کو نقصان پہنچایا، حتیٰ کہ عرب ترکوں کو قتل وغارت کرنے پر اتر آئے اور عربوں نے ترک فوج سے بھاگنا شروع کردیا۔ ان حالات میں ترکی کی ناکامی لازمی تھی، اور انگریز فوجیں ایران وغیرہ پر قابض ہوگئیں۔

قابلِ غور

ترجمان اسلام کے ایجنسی ہولڈروں سے التماس ہے کہ تمام بقایاجات جلد از جلد ادا کردیئے جائیں۔ بصورت دیگر ادارہ اس بارے میں سنجیدگی سے غور کرے گا۔

جنرل منیجر

اسلام کی خاتونِ اوّل

ہریرہ خاتون

لوگوں کی زبان پر اس کی ہی تعریف و توصیف کے ترانے تھے، سب سے زیادہ لائقِ احترام، قابلِ عزت اور نیک سیرت وہی ایک تھا۔ گھریلو یا باہر کا ماحول، جہاں بھی اس کا ذکر آتا، ادب و احترام سے لوگوں کی گردنیں جھک جاتیں۔ لوگوں کو تعجب تھا کہ عالمِ شباب میں اسقدر پاک دامن، مکارمِ اخلاق کا مالک، ضعیفوں و بے کسوں کا ہمدرد یتیموں و بیواؤں کا مونس و غم خوار اور زنا و شراب سے اجتناب جیسی خوبیاں اس انسان میں کیسے اکٹھی ہوگئیں۔ لوگ دن بدن اس کے گرویدہ ہوتے گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی امانت و صداقت کا چرچا دُور دُور تک پھیل گیا۔ پاسِ ادب کی وجہ سے لوگ اس کا نام لینا بھی سوءِ ادبی سمجھتے۔ اس بنا پر اس کا ذکر "امین" اور "صادق" کے الفاظ سے ہونے لگا۔

یہ شخصیت جانِ دو عالم، فخرِ دو عالم، سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔

دوسری جانب مکہ میں بھی سب سے خلیق و ملنسار، سخی اور مالدار، فقراء و مساکین کی غمگسار، پیکرِ شرم و حیاء اور مجسمۂ جود و سخا ایک عورت رہتی تھی جس کی پاکیزہ سیرت کا دُور تک شہرہ تھا۔

اس نیک نام خاتون کا نام خدیجہ تھا۔ آپؓ کے والد خویلد بن اسد بن قصی بن کلاب تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پندرہ برس پہلے پیدا ہو چکی تھیں۔ پیدائش ۵۷ء کسریٰ میں ہوئی۔ مال و دولت اور سامانِ تجارت کی آپؓ کے پاس کمی نہ تھی۔ لوگوں کو ملازم رکھتیں اور انہیں سے انؓ کا تجارتی کاروبار چلتا۔ مادی راحت و آرام کے باوجود پے در پے صدموں کی بنا پر طبیعت دنیا سے سیر ہو چکی تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال کی ہوئی اسوقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اخلاق اور ستودہ اوصاف کا کافی شہرہ ہو چکا تھا۔ حضرت خدیجہؓ جن کی نگاہیں پہلے ہی ایسے فردِ مقدس کی جستجو میں لگی ہوئی تھیں، بڑے شوق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا اور کہا کہ اگر آپ میرا مالِ تجارت شام کی طرف لے جایا کریں تو میں اپنا غلام میسرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دوں۔ ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے ذریعہ حضرت خدیجہؓ کے مالِ تجارت کا حال معلوم کر چکے تھے، اس لئے آپ نے بلاتکلف منظور کر لیا اور مالِ تجارت لے کر بصرہ کا رُخ کیا۔ اتفاق سے آپ جتنا مال لے کر گئے تھے سب کا سب فروخت ہو گیا۔ جب مکہ میں واپس آ کر نفع کا حساب لگایا گیا تو جتنا پہلے نفع ہوا کرتا تھا اس سے دوگنا زیادہ تھا۔ حضرت خدیجہؓ بہت خوش ہوئیں اور جتنی رقم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقرر کی تھی اس سے المضاعف نذر کی۔

اس دوران حضرت خدیجہؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کافی حالات معلوم ہو چکے تھے اور آپؓ کی نگاہوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت بڑھتی گئی۔ پھر انہوں نے رسمِ عرب کے مطابق بغیر کسی کی وساطت کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کا ارادہ کیا۔ نفیسہ حضرت خدیجہؓ کی لونڈی تھی۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہؓ کا پیغام پہنچایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایما پا کر وہ حضرت خدیجہؓ کے حکم سے ان کے چچا عمرو بن اسد کو بلا لائیں۔

حضرت خدیجہؓ کے باپ حربِ فجار میں مارے جا چکے تھے، اس لئے انؓ کے چچا عمرو بن اسد آپؓ کے سرپرست تھے۔ آخرکار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب اور تمام اکابرِ خاندان حضرت خدیجہؓ کے گھر جمع ہو گئے۔ ابو طالب نے نکاح پڑھایا اور ۵۰۰ درہم طلائی مہر پایا۔ اسوقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتدائی وحی نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈر گئے اور اس کا ذکر حضرت خدیجہؓ سے کیا۔ حضرت خدیجہ نے عرض کیا:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سچ
بولتے ہیں۔ امانت گزار ہیں مہمان نواز
ہیں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد
کرتے ہیں۔ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کو تنہا نہیں چھوڑے گا۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو اس زمانے کے مشہور نصرانی عالم تھے اور ان کو توریت اور انجیل پر کما حقہ عبور حاصل تھا۔

ورقہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا۔ وہ یہ سارا حال سُن کر سمجھ گیا اور بولا یہ وہی کلام ہے جو موسیٰؑ پر اترا تھا۔ کاش کہ مجھ میں قوت ہوتی اور میں اسوقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لئے تیار رہتا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر نکال دے گی۔ اس کے تھوڑے دن بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تبلیغ حق اور اشاعت اسلام میں جتنی مشکلات پیش آئی تھیں اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک مدت تک اپنی غمگسار بیوی کے ساتھ چھپ کر نماز ادا کرتے رہے۔ ایسے پر آشوب زمانہ میں حضرت خدیجہؓ نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم خیال اور غمگسار تھیں بلکہ ہر موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی ہمدرد اور دلسوز بیوی جو شوہر کی رضامندی کی اطاعت اور راحت پہنچانے میں کوشاں رہتی ہو، کافروں اور مشرکوں کی مخالفت علی الاعلان ثابت کرتی ہو، وہ شوہر کو کیوں کر محبوب نہ ہو گی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعریف نہ کر لیتے تھے گھر سے باہر نہ نکلتے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

جتنا رشک مجھے حضرت خدیجہؓ پر تھا کسی بیوی پر نہ تھا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انؓ کا ذکر کیا تو مجھے غیرت آئی اور میں نے کہا وہ بڑھیا تھی۔ اب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انؓ سے بہتر بیوی دی ہے۔ یہ سُن کر آپ غصے ہوئے۔ فرطِ غضب سے موئے مبارک کھڑے ہو گئے اور فرمایا: "بخدا مجھے اس سے بہتر بیوی نہیں ملی۔ وہ اس وقت مجھ پر ایمان لائیں جب سب لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور اس نے میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھوٹا کہا، اور غنی کیا اپنے مال سے جب محروم رکھا مجھ کو لوگوں نے اپنے مال سے اور خدا نے مجھے اس سے اولاد دی۔"

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے اپنے دل میں کہا کہ آئندہ انؓ کا ذکر برائی سے نہیں کروں گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے بعد عرصہ تک حضرت خدیجہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ پانچ سال کے بعد چار لڑکیاں زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ، فاطمہؓ اور تین لڑکے طاہرؓ، قاسمؓ اور عبداللہ پیدا ہوئے یہ سب اولاد اسی عرصہ میں پیدا ہوئی جو نبوت سے پہلے حضرت خدیجہؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے ہوئے گذرا ہے۔

ایک دفعہ حضرت خدیجہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سارا عرب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہو رہا تھا۔ راستے میں حضرت جبرائیلؑ ایک مرد کی صورت میں ملے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت پوچھا۔ یہ ڈر گئیں کہ کوئی دشمن نہ ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینا چاہتا ہو۔ گھر آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملیں تو اس کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وہ جبرئیلؑ تھے۔ مجھے کہہ گئے تھے کہ تم کو اللہ کا سلام پہنچا دوں، اور جنت میں ایسا گھر ملنے کی بشارت سنا دوں جو موتیوں سے بنا ہو گا اور جس میں شور و شغب محنت اور تکلیف کا گزر نہ ہو گا۔"

وفات:

حضرت خدیجہؓ نکاح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ۲۴ سال رہیں۔ نبوت کے آٹھویں سال ہجرت سے تین برس پہلے رمضان المبارک کے مہینہ میں وفات پائی۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات تک نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی تھی۔ یوں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں اتارا۔ حجون آپؓ کا مدفن ہے۔ نبوت کے دسویں سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی وفات کے تین دن بعد ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات ماہ رمضان المبارک میں ہوئی۔ اب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دوہرا صدمہ اور دو طرفہ مصیبت ہو گئی جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے راضی برضا و قضا ہو کر نہایت صبر و شکر کے ساتھ برداشت فرمایا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کا نام عام الحزن رکھا یعنی رنج و غم کا سال۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غم صرف دو صدمے، مہینہ یا سال کا نہ تھا بلکہ اکٹھے دس سال گذر گئے۔ کفار مکہ کا یہ حال تھا کہ کبھی آرام نہیں لینے دیتے تھے۔ ان متواتر سانحوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت ملول رہنے لگے کیونکہ حضرت خدیجہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اسلام کی سچی غم خوار تھیں اور ابو طالب آپ کے شفیق و سرپرست چچا تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملال میں اسوقت تک کمی نہ ہوئی جب تک حضرت عائشہؓ سے نکاح نہ ہو گیا۔

ہم مسلمانوں کے لئے ام المومنینؓ کی شخصیت سرمایۂ افتخار اور گنج گراں مایہ

محمد ادریس

ملک میں ٹیکنیکل پروفیشنل تعلیمی اداروں کی تعداد بڑھائی جائے اور تعلیم کو بامقصد بنایا جائے

★ —— جاوید ابراھیم پراچہ

گذشتہ دنوں جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان کے مرکزی صدر جناب جاوید ابراہیم پراچہ نے اپنے دورۂ سندھ کے دوران ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جمعیۃ طلبہ اسلام کا مطالبہ ہے کہ طبقاتی نظام تعلیم ختم کیا جائے کیونکہ یہ نظام تعلیم ایک ہی قوم کے افراد کو مختلف گروہوں اور دھڑوں میں تقسیم کر دیتا ہے جو اپنے مخصوص مفادات کے لئے کام کرتے ہیں اور معاشرہ میں ایسی گھٹن سے کئی معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں۔

موجودہ نظام تعلیم یا تو کلرک پیدا کرتا ہے یا افسران اور اس میں ہمارے معاشرے میں ایک غریب طالبعلم تو وسائل سے محرومی کی وجہ سے محض کلرک ہی بن سکتا ہے یا کسمپرسی کی حالت میں معاشرے سے کٹ جاتا اور اس کی ساری صلاحیتیں دب کر رہ جاتی ہیں۔ دوسری طرف امراء اعلیٰ تعلیمی اداروں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور ملک پر حکمران بن جاتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ امیر اور غریب کو تعلیم کے یکساں مواقع مہیا ہونے چاہئیں اور حکومت کو چاہیئے کہ بجائے اس کے کہ امراء کو خوش کرنے کے لئے انگریزی طرز کے سکولوں پر بے جا اسراف کرے بلکہ وہ غریب طلبہ کے لئے تعلیم کے یکساں مواقع مہیا کرے اور نادار اور غریب طلبہ کے لئے مفت تعلیم کا اہتمام کرے۔ قومی یکجہتی اور اسلامی اقدار کے جذبہ کی بیداری کے لئے اسلامی نظام تعلیم نافذ کیا جائے۔

جناب جاوید ابراہیم پراچہ نے مزید کہا کہ طالبعلموں میں روزگار کے تحفظ اور تعلیم کو بامقصد بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ملک میں ٹیکنیکل پروفیشنل تعلیمی اداروں کی تعداد بڑھائی جائے۔ حکومت کو چاہیئے کہ تعلیم یافتہ حضرات کو روزگار کی ضمانت مہیا کرے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ملک کے تعلیمی اداروں میں اقلیتوں کے لئے کوٹہ مقرر کیا جائے۔ اس پریس کانفرنس میں صوبہ سندھ کے صدر جناب ڈاکٹر نذیر احمد بھنوار بھی موجود تھے۔

قائد طلبہ کے دورہ بلوچستان کی رپورٹ:

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے مرکزی صدر جناب جاوید ابراہیم پراچہ اور جناب حافظ اطہر عزیز ناظم مالیات جمعیۃ طلباء اسلام حسب پروگرام بذریعہ کوئٹہ ایکسپریس روانہ ہوئے۔ خانیوال اور ملتان ریلوے اسٹیشن پر ساتھیوں نے اس کا والہانہ استقبال کیا۔ کوئٹہ ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تو بلوچستان کی عاملہ کے اراکین کے علاوہ کثیر تعداد میں طلبہ قائد طلبہ کے استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے۔ مرکزی قائدین کو کارکنوں کے ایک جلوس میں مطلع العلوم بروری روڈ لے جایا گیا۔ شام ۶ بجے تک مقامی طلبہ اور دیگر شہروں سے آئے ہوئے طلبہ سے ملاقاتیں کیں۔ تنظیمی اور جماعتی مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ مغرب کی نماز کے بعد جناب صدر نے صوبائی عاملہ اور ضلعی صدر اور ناظم عمومی حضرات کا اجلاس طلب کیا جو جناب جاوید ابراہیم پراچہ صاحب کی صدارت میں تلاوت کلام پاک سے شروع ہوا۔ تنظیمی صورتحال زیر بحث آئی۔ ساتھیوں نے تجاویز پیش کیں۔ بعد ازاں اجلاس ۹ بجے صبح تک ملتوی کر دیا گیا۔ سردی اگرچہ بہت زیادہ تھی لیکن ساتھی سرگرم تھے۔ پورے جذب و شوق سے اجلاس میں عین وقت مقررہ پر پہنچ گئے۔

بلوچستان تنظیم توڑ دی گئی:

اجلاس جناب جاوید ابراہیم پراچہ کی صدارت میں شروع ہوا۔ کافی غور و خوض کے بعد متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ موجودہ تنظیم کو تنظیمی کام میں غیر مؤثر ہونے کی وجہ سے توڑ دیا جائے، لہذا صدر اجلاس نے ساتھیوں کی پرزور تائید سے بلوچستان تنظیم کو کالعدم قرار دے دیا اور اس کی جگہ ایک کنوینگ کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں درج ذیل حضرات کے اسمائے گرامی متفقہ طور پر طے پائے:

۱۔ حافظ حسین احمد صاحب
۲۔ محمد قاسم شالوی
۳۔ نظام الدین پانیزئی
۴۔ محمد سلیمان اچکزئی
۵۔ صاحبزادہ امین الحق

وقفہ کے بعد پھر اجلاس شروع ہوا جس میں قائد طلبہ نے کنوینگ کمیٹی کے اراکین سے اطاعت امیر کا حلف لیا۔ حافظ حسین احمد کو کمیٹی کا سربراہ مقرر کیا۔

اجلاس کے برخاست کرنے کا اعلان کیا گیا اور طعام کے بعد تمام ساتھیوں نے مرکزی قائدین کو ریلوے سٹیشن پر الوداع کیا۔

(نوٹ) صوبہ سندھ کے دورہ کی رپورٹ

ابھی تک موصول نہ ہو سکی ۔ اگر بر وقت موصول ہوئی تو انشاء اللہ شائع کر دیجائیگی)

صوبہ پنجاب کے صدر کا دورۂ بہاولنگر:

جمعیۃ طلبہ اسلام پنجاب کے صدر جناب ظہیر میر نے گذشتہ دنوں ضلع بہاولنگر کا تفصیلی دورہ کیا ۔ پروگرام کے مطابق ۱۱ دسمبر کو گورنمنٹ کالج بہاولنگر کی مسجد میں طلبہ کا اجتماع تھا۔ طلباء کو صوبائی قائدین کا خاصا انتظار کرنا پڑا لیکن طلبہ بڑی دلجمعی سے صوبائی رہنماؤں کے منتظر تھے ۔ آخر اجلاس خالد محمود ڈوٹو کی صدارت میں شروع ہوا ۔ گورنمنٹ کالج بہاولنگر سٹوڈنٹس یونین کے جنرل سیکرٹری جناب عبید اللہ خان نے صوبائی قائدین کے حضور سپاسنامہ پیش کیا ۔ کالج یونٹ کے صدر جناب بشیر احمد بھٹی نے کلام اقبال پیش کیا ۔ بعدازاں صوبائی صدر ظہیر میر نے مفصل مدلل خطاب کیا ۔

اسی روز چار بجے سہ پہر صوبائی صدر ملک خلیل احمد اعوان اور جناب خالد ڈوٹو کے ہمراہ منچن آباد روانہ ہوئے ۔ بعد نماز عشاء جامع مسجد میں ضلعی صدر خالد محمود ڈوٹو کی صدارت میں طلبہ کا اجتماع ہوا ۔ جناب محمد ادریس ، صدر جمعیۃ طلباء اسلام منچن آباد سٹیج سیکرٹری تھے ۔ اجتماع سے صوبائی صدر نے پُر جوش خطاب کیا اور اس سے قبل خالد محمود ڈوٹو نے جمعیۃ طلبہ اسلام کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی ۔

۱۲ دسمبر کو ہارون آباد کے کارکنوں کا اجلاس ہوا اور بعد نماز عشاء فقیر والی میں جلسہ سے صوبائی صدر اور دیگر مقررین نے خطاب کیا ۔

۱۳ دسمبر کو چشتیاں میں انجمن خدام الرسول کے دفتر میں جمعیۃ طلبہ اسلام کا اجتماع ہوا جس سے ضلعی ناظم عمومی ذوالفقار احمد بھٹی اور ملک خلیل احمد اعوان نے خطاب کیا ۔

اردو سائنس کالج کراچی میں جمعیۃ کا یونٹ:

گذشتہ دنوں اردو سائنس کالج یونیورسٹی روڈ کراچی میں جمعیۃ طلباء اسلام کا یونٹ قائم کر دیا گیا اور جناب اکرام الدین اختر کالج یونٹ کے کنوینر مقرر کیے گئے جبکہ محمد اشرف خزمان اور محمد فاروق کو ان کا معاون بنایا گیا ۔ کالج میں کام حوصلہ افزاء طریقے سے جاری ہے ۔

شاہد راجپوت سندھ مجلس شوریٰ کے رکن ہوں گے:

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان صوبہ سندھ کے صدر جناب ڈاکٹر نذیر احمد ہمنوار نے جمعیۃ طلبہ اسلام تھرپارکر کے رہنما جناب شاہد معراج راجپوت کو صوبہ سندھ کی مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا ہے ۔ بعدازاں صوبائی صدر نے ضلع تھرپارکر کی جماعتی ذمہ داریوں سے فارغ کرکے ان کی جگہ مطلوب احمد وندھاوا کو ضلع تھرپارکر کا کنوینر مقرر کیا ہے ۔ شاہد راجپوت اس سے قبل میرپورخاص کے ناظم اطلاعات ناظم عمومی اور ضلع تھرپارکر کے صدر رہ چکے ہیں ۔

حلقۂ اچھرہ لاہور کا انتخاب:

گذشتہ دنوں جمعیۃ طلبہ اسلام حلقہ اچھرہ کا انتخابی اجلاس مدرسہ فتحیہ ذیلدار روڈ ۔ اچھرہ لاہور میں ہوا جس کی صدارت جناب محمد یار صاحب نے کی ۔ اجلاس جمعیۃ طلبہ اسلام کے ضلعی ناظم اطلاعات اختر ندیم کی نگرانی میں حسب ذیل انتخاب عمل میں لایا گیا ۔

صدر : جناب محمد زبیر
نائب صدر " محمد منور
ناظم عمومی " قدرت اللہ فاروقی
ناظم " سیف اللہ
" اطلاعات " محمد اسمٰعیل ثاقب
" مالیات " رب نواز

ناظم اطلاعات اور ناظم مالیات کی معاونت کے لیے دوست محمد اور خالد اقبال کو مقرر کیا گیا ۔ مجلس عمومی میں حبیب الرحمٰن ، شبیر احمد سعید احمد ، مقبول احمد ، محمد اسلم برہی ، محمد ظفر ، غلام مرتضیٰ ، محمد اختر شہزاد ، محمد ضیاء ، اظہر ندیم ، احمد ندیم فاروقی اور محمد عاشق شامل ہیں ۔

اللہ تعالیٰ صحت کاملہ عطا کرے:

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے مرکزی صدر جناب جاوید ابراہیم پراچہ کے والد محترم جناب حاجی محمد ابراہیم پراچہ ہسپتال میں زیر علاج ہیں ۔ اسی وجہ سے پراچہ صاحب کو صوبہ سندھ کا دورہ نامکمل چھوڑنا پڑا ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاجی صاحب کو صحت کاملہ عطا فرمائے ۔ آمین

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی یاد میں جمعیۃ طلبہ اسلام ضلع لاہور کے زیر اہتمام

عظیم الشان کانفرنس

۱۱ جنوری ۱۹۸۰ء بروز جمعہ بمقام نیلا گنبد لاہور

مدعوین :-

حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

جناب جاوید ابراہیم پراچہ ❁ مولانا عبدالرحمٰن جامعہ اشرفیہ
ندیم اقبال اعوان ❁ سید سلمان گیلانی